فہرست مطالب

اردو مقالات

آیات متشابہات کی حکمت: علوم عصریہ کے تناظر میں/ محمد احسن قریشی ۵
ترقی پسند تنقید کے دو اہم معمار/ عنبرین انصاری ۴۵
علامہ اقبال اور کشمیری مسلمان/ ڈاکٹر اصغر اقبال ۵۷

فارسی مقالات

مثنوی گربه نامه سهرودهٔ ظهور اللّٰه/ دکتر محمد ناصر، دکتر محمد صابر ۶۵
مثنوی آثار میرزا حسن اصفهانی/ دکتر اعجاز احمد ندیم ۷۳
نستعلیق نویسی در شبه قاره نستعلیق نُویسانِ و معروفِ لاهور/ دکتر شعیب احمد، فریحه رضا ۸۷

پنجابی مقالہ

پنجاب دے صوفیاں دا پیغام/ ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد ۹۷

انگریزی مقالہ

The Poetic Citation
Its Importance and evolution in the commentaries of the Holy Quran **Dr. Arif Siddiq** **03**

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 34, Sr.No.93, 2013 pp 05 - 44

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۴، اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۱۳ء، شمارہ ۹۳

آیات متشابہات کی حکمت: علوم عصریہ کے تناظر میں

محمد احسن قریشی ☆

Abstract:

In Surah 3 namely 'The Family of Imran' of the Holy Quran, Allah Almighty has mentioned two contrastive terms Muhkamat (Clear in Meaning) and Mutashabihat (Not very clear in meaning) in verse 7. These have been widely debated by medieval Arab scholars and prominent theologians. The literature of exegesis is full of great variety of meanings and explanations. However the word Mutashabihat was not perceived well until the recent time and the present age of science. The present scientific knowledge revealed an other aspect of the meanings. The writer has tried to discuss a few of these aspects with reference to the contemporary sciences. First the basic philosophy of mentioning of Mutashabihat is taken into account. Islam is an eternal and chosen religion (Deen) of Allah and it has to survive up to the last day of human life so its teachings must be everlasting. Allah Almighty included Mutashabihat so as to make the teachings of Holy Quran worthy of all times to come. So in the topic under study, it is tried to elaborate certain hidden meanings of Mutashabihat in the light of latest scientific knowledge that proves the truthfulness of the last Revelation of Allah Almighty.

مطالعۂ قرآن مجید کے دوران جب سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 7 پر نظریں ٹھہریں تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے محکم آیات کے ساتھ ساتھ متشابہات بھی نازل فرمائی ہیں۔ چنانچہ ذہن میں سوال

☆ ریسرچ سکالر نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ابھرا کہ وہ آیات جن کے معنی اور مفہوم تک رسائی نہ ہو سکے ان کے نزول میں کیا خاص حکمت پوشیدہ ہوسکتی ہے؟ اسی سوچ وفکر کو ساتھ لے کر آگے بڑھنے کی کوشش کی تو بہت سارے رموز واسرار سامنے آ گئے۔ چنانچہ زیرنظر مقالہ میں ان ہی امور کو زیر بحث لانے کی سعی کی گئی ہے۔

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 7 یہ ہے:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ...

ترجمہ: وہی ہے (اللہ تعالیٰ) جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض

متشابہ آیتیں ہیں۔۔۔

محکم آیات تو وہ ہیں جن کے معنی اور مفہوم سمجھنے میں کوئی چیز سدراہ نہیں لیکن اس کے برعکس متشابہات غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ خود قرآن مجید بھی تو تدبر وتفکر کی دعوت دیتا ہے۔

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ (1)

ترجمہ: اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتاری ان کے واسطے تاکہ وہ غور کریں۔

متشابہات دراصل وہ آیات ہیں جن کے معنی ومفہوم مکمل طور واضح نہ ہو اور اس کے دو یا دو سے زیادہ معنی لئے جاسکتے ہوں۔ شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں متشابہ آیات سے مراد ہے:

''متشابہ آیات سے وہ آیات مراد ہیں جن سے بیک وقت دو یا اس سے زائد معنی مراد لئے جاسکتے ہوں اور بظاہر کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جس سے ان میں سے کسی ایک معنی کے حق میں فیصلہ کیا جاسکتا ہو۔'' (2)

زیرنظر سطور میں پہلے آیات متشابہات کی حکمت پر گفتگو مقصود ہے۔ 'الاتقان فی علوم

القرآن' میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے متشابہات کی حکمت پر تفصیلی بحث کی ہے۔ مختصراً ان حکمتوں کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ذریعہ غور وفکر:

متشابہ آیات میں کئی وجوہ کا احتمال نکلنے کے باعث غور وفکر کی حاجت ہوتی ہے۔ جس سے قرآن شریف کی مخفی باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے اور اس کی باریکیوں کو معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ باعثِ ثواب:

دقائق قرآن کی معرفت کی توجہ کا ہونا بہت بڑے قرب وثواب کا باعث ہے۔ جتنی مشقت زیادہ ہوگی ثواب اتنا ہی زیادہ ملے گا۔

۳۔ فہم اور مراتب کے فرق کا علم:

متشابہ آیات سے انسانوں کے فہم اور ان کے مراتب کا فرق عیاں ہوتا ہے وگرنہ اگر تمام قرآن شریف محکم ہی ہوتا جس میں تاویل اور غور کی حاجت نہ پڑتی تو اس کے سمجھنے میں تمام خلق کا درجہ یکساں اور مساوی ہوتا اور عالم کی بزرگی، غیر عالم پر ظاہر نہ ہوسکتی۔

۴۔ اعترافِ علم الٰہی:

متشابہ کا اصل علم حاصل کرنا چونکہ ممکن ہی نہیں اس لئے انسان اپنے تصور اور فہم کی بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے علم الٰہی کا اعتراف کرے۔

۵۔ مختلف مکتبہ فکر کا سامنے آنا:

قرآن محکم اور متشابہ دونوں قسم کی آیتوں پر مشتمل ہے تو اب ہر صاحب علم کو غور وفکر کے ساتھ متشابہ کے معنی اور مطالب سمجھنے کی سعی کرنے کا موقع ملتا ہے اور فہم قرآن کی جدوجہد کرے گا اس کی اس جدوجہد میں محکم آیتیں متشابہ آیتوں کی تفسیر بن کر اس کو نئے نئے مطالب سے واقف کریں گی اور وہ حق کی تلاش میں بطلان کے پھندے سے نکل کر منزل حق تک پہنچنے کے لئے نیا فکر پیش کرے گا جس میں حق کی وضاحت کے مختلف راستے سامنے آئیں گے۔

۶۔ علوم کا ذریعہ:

قرآن میں متشابہ آیتوں کے وجود ہی سے اس کی تاویل کے طریقوں کا علم اور کسی ایک آیت کے کسی دوسری آیت پر ترجیح دینے کا اصول معلوم کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ اور اس بات کو معلوم کرنا، زبان دانی، نحو، معانی، بیان اور اصول فقہ وغیرہ بہت سے علوم کے حاصل کرنے پر موقوف ہے۔ لہٰذا اگر قرآن شریف میں متشابہ آیتیں نہ ہوتیں تو ان بہت سے علموں کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

۷۔ دعوت حق:

قرآن شریف عام و خاص ہر طبقے کے لوگوں کو دعوت حق دیتا ہے۔ چنانچہ بندوں کو ایسے الفاظ کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے جو ان کے اوہام اور خیالات کے مناسب حال امور پر دلالت کرتے ہیں۔ جس کے ساتھ پہلی مرتبہ بندوں کو مخاطب کیا جائے وہ من جملہ متشابہ کے ہوگا اور جو آخر میں ان پر خطاب کو، بالکل واضح کردے وہ محکمات میں شمار ہوگا۔(3)

متشابہ آیات کے نزول کی مزید حکمتیں بھی اصحاب علم نے ذکر کی ہیں۔

۱۔ فصاحت اور بلاغت کا چیلنج:

اہل عرب جو اپنی زبان کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور جنہیں فصاحت و بلاغت کا دعویٰ تھا وہ اس طرح کے تشابہات پر واقف ہونے سے عاجز تھے حالانکہ قرآن شریف عربوں کی زبان میں نازل ہوا تھا پس انہیں یقین آ گیا کہ یہ تاثیر کلام الٰہی کے سوا کسی اور کلام کی نہیں ہوسکتی جو ان کو اس سمجھ سے عاجز۔کردے۔(4)

۲۔ آزمائش:

متشابہات میں اصحاب علم کی آزمائش ہے جس کے دل میں کجی ہو وہ متشابہات کے مفہوم کو معلوم کرنیکے لئے من مانی تاویلات کی راہ اپناتا ہے اور گمراہی میں پھنس جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْراً وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْراً (5)

ترجمہ: گمراہ کرتا ہے خدا یتعالیٰ اس مثال سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو۔ عاشق الٰہی مہاجر مدنی اسی نکتہ کی وضاحت کرتے ہیں کہ متشابہات اہل علم کے ابتلا کے لئے ہیں جس کا تفتیش اور تلاش کا مزاج ہوتا ہے ان کا ابتلا اس میں ہے کہ بس رک جاؤ آگے نہ بڑھو اور جن لوگوں کو علم کا ذوق نہیں ان کا ابتلا اس میں ہے کہ ان کو ترغیب دے کر علم پر لگایا جائے اور آیات محکمات کے سمجھنے اور پڑھنے پڑھانے پر آمادہ کیا جائے۔(6)

اسی نکتہ کی وضاحت میں جلال الدین سیوطی نے کہا کہ متشابہات کے ساتھ بندوں کی آزمائش کی گئی ہے تاکہ وہ ان کی حدود کا لحاظ رکھیں اور ان پر توقف کریں۔(7)

۳۔ منزّل من اللہ کا ثبوت:

'متشابہات کے ذریعے خدائی کتاب اور انسانی کتاب میں فرق ہوتا ہے کہ انسانی کتاب وہ ہے جسے ہر کوئی اوّل سے آخر تک سمجھ لے اور خدائی کتاب وہ جہاں ہر ایک اپنے عجز کا اقرار کرے۔'(8)

متشابہات کا تعلق چونکہ ایسے حقائق سے ہوتا ہے جو انسانی عقل کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں اور انسان کی ہدایت سے بھی ان کا تعلق نہیں ہوتا۔ لہٰذا عقل صحیح اور قلب سلیم رکھنے والے لوگ ان کے درپے نہیں ہوتے۔ اور انہیں یقین کامل ہوتا ہے کہ ایسا کلام صرف اللہ ہی کا نازل کردہ ہوسکتا ہے۔(9)

حافظ عماد الدین نے اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: 'پختہ علم والے جانتے ہیں کہ سب اللہ کی طرف سے ہے اور ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے اور اس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں'۔ (10)

۴۔ بندگی کا اقرار

متشابہات کے ذریعہ بندہ اپنی بندگی کا اقرار کرتا ہے کہ عالم ہر جگہ اپنی عقل کا گھوڑا دوڑاتا ہے مگر یہاں پہنچ کر کہنا پڑتا ہے کہ رب جانے ان کا مطلب اور اپنے قصور کا اقرار علامت بندگی ہے۔ (11)

۵۔ علوم عقلیہ کا ارتقاء:

متشابہات کے مفہوم میں دلائل عقلیہ سے بحث کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کی وضاحت اور تشریح کی جاتی ہے اس طرح مختلف علوم عقلیہ میں ارتقاء ہوا اور علمائے متکلمین نے اس میں بہت کام کیا اور علوم عقلیہ کی روشنی میں ایک نئے علم یعنی علم الکلام کا اضافہ ہوا جس نے مسلمانوں کے علمی طبقات میں ایک نیا ولولہ پیدا کیا۔

۶۔ قرآن کی ابدی حیثیت:

زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ جوں جوں علم جدید پروان چڑھ رہا ہے نت نئے انکشافات جنم لے رہے ہیں۔ اور ہر نئے انکشاف کا رخ قرآن حکیم کی جانب ہوتا ہے اور ہم مسلمانوں کے لئے یہ امر باعث صد افتخار ہے کہ ہر معاملہ کی جانچ جب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب سے کی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ بہت پہلے جو بات اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے وحی الٰہی کے ذریعے کو بتائی تھی وہ آج ہو بہو سچ ثابت ہو رہی ہے۔

قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اسے تا قیامت اپنی اصلی حالت میں رہنا ہے اور ہر عہد اور ہر زمانے کے سوال کا جواب پیش کرنا ہے اس لئے اس کی دائمی اور ابدی حیثیت اس بات کی متقاضی تھی کہ کچھ باتیں ایسی حالت میں رکھ دی جائیں جو زمانے کے ساتھ ساتھ ظہور پذیر ہوتی چلی جائیں چنانچہ اب تک بے شمار ایسے اسرار سے پردہ اٹھ چکا ہے اور بہت سے اسرار و رموز باقی ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ سامنے آئیں گے اور ایک ایسا وقت بھی آئے گا

''جب قرآن عظیم کی تمام متشابہات، محکمات میں بدل جائیں گی۔''(12)

اسی نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر ذاکر نائیک لکھتے ہیں:

''قرآن حکیم، جو عقیدۂ اسلامی کا مرکزی سرچشمہ ہے، اپنے پیروکاروں یعنی مسلمانوں کے

مطابق بنیادی اور کلی طور پر الٰہیاتی ہے۔ ہر مسلمان کا یہ ایمان بھی ہے کہ قرآن مجید میں تمام نوع ِانسانی کے لئے ہدایت موجود ہے۔ چونکہ پیام ِقرآن ِحکیم ہر وقت اور ہر زمانے کے لئے نازل ہوا پس اسے لازماً ہر وقت اور ہر زمانے کے پہلو بہ پہلو ہونا چاہیے'' (13)

۷۔ غور وفکر کی دعوت:

متشابہات سے لوگوں کو غور وفکر اور تدبر کی دعوت دی گئی۔ اگر ہر آیت کا ایک ہی واضح مطلب ہوتا تو اس میں سے عالمگیریت اور تدبر کا عنصر ختم ہو جاتا۔ قرآن کریم کی تعلیمات پر غور وفکر کی دعوت اللہ رب العزت نے کئی مقامات پر دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (14)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تا کہ تم سمجھو۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط (15)

ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟

ارشاد ربانی ہے:

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ (16)

ترجمہ: بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (17)

ترجمہ: یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

مذکورہ بالا آیات اور اسی طرح دیگر متعدد آیات میں قرآن کریم نے انسان کو غور وفکر کی

دعوت دی تا کہ وہ قرآن کی متشابہ آیات میں صحیح غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور کارخانہ قدرت کے سربستہ رازوں کو سمجھیں۔

۸۔ علم کی حد بندی:

تفسیر قرآن کے علم میں رسوخ رکھنے والوں کے علم کی بعض متشابہات آخری حد ہیں اور انہیں اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا اعتراف کر کے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم اس کے اصل مفہوم کو نہ جانتے ہوئے یہ اقرار کرتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی ان آیات متشابہات سے مراد ہے وہ برحق ہے اور یہی ہمارا ایمان ہے۔(18)

۱۴۔ بحث کی گنجائش:

''متشابہات میں بات کرنے یا بحث کرنے کی گنجائش باقی ہے لیکن جو بات یا بحث ہوگی وہ افہام وتفہیم کے لئے ہوگی جھگڑے اور مناظرے کے لئے نہیں۔ جب کسی جگہ ایسی صورت پیش آئے گی تو خاموش ہونا ضروری ہے۔شک وتردد میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔''(19)

متشابہ آیات میں غور وفکر نہ کرنا حکم الٰہی کے خلاف ہے۔قرآن مجید قیامت تک کے لئے ہے اسی طرح قرآن مجید پر تدبر کرنے کو قیامت تک کے لئے جاری رکھا جائے۔تفکر اور تدبر نہ کرنا قرآن کریم کی لامحدود وسعتوں کو محدود کرنے کے مترادف ہوگا۔

قرآن مجید نے کئی مقامات پر اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ علم سے انسان صحیح نتیجے تک صرف اسی صورت میں رسائی حاصل کرسکتا ہے جب وہ اپنے علم سے وحی کی روشنی میں کام لے۔ایسا ہی علم یقیناً انسانیت کی فلاح و بہبود میں استعمال ہوگا۔سائنس حقائق کائنات کو وضع یا ایجاد نہیں کرتی وہ صرف دریافت وانکشاف کرتی ہے۔

قرآن مجید میں بتایا گیا کہ نظام فلکی میں سورج اپنے ٹھکانے کی طرف رواں دواں ہے اور چاند کے مختلف منازل جن کی وجہ سے وہ دیکھنے میں مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے اور سورج و چاند ایک

منظّم نظام میں اپنے اپنے مدار میں محوگردش ہے اور دن اور رات کا زمین پر نمودار ہونا اس نظام فلکی کے عمل کا نتیجہ ہے ارشاد ربانی ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط (20)

ترجمہ: اور سورج چلا جاتا ہے اپنے ٹھہرے ہوئے رستے ہر اور

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْم (21)

ترجمہ: اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر آ رہا جیسے ٹہنی پرانی اور

لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (22)

ترجمہ: نہ سورج سے ہو کہ پکڑے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک چکر میں تیرتے ہیں۔

لیکن سائنس نے یہ انکشافات اپنی سمجھ سے اب کئے ہیں۔اس سے یہی سائنس سورج کے عظیم الشان کرّے کو فضا میں ساکن تصور کر رہا تھا۔ نظام شمسی سے متعلق آیات پہلے زمانے کے لحاظ سے متشابہات میں سے تھیں لیکن سائنسی ترقی سے ان متشابہات کی تفصیل سامنے آ رہی ہے لیکن پھر بھی کسی سائنسی انکشاف کو حتمی نہیں کہا جا سکتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی تفصیل بدلتی رہے گی اور جوں جوں کائنات اور فطرت کا مشاہدہ وسیع ہوتا جائے گا، جوں جوں کوئی صاحب علم قوم اس کے حقائق عالیہ پر غور کرے گی تو ان متشابہات کا مفہوم بیّن اور مشرح ہوتا جائے گا۔لیکن پھر بھی ارتقائے علم کے مختلف منازل میں بعض آیات متشابہ المعانی رہیں گی، ان سے بادی النظر میں مختلف مطالب نکل سکیں گے اور جب تک انسان کا علم ایک خاص سطح بلند تک نہ پہنچے گا ان کے صحیح مطالب اور صاحب

القرآن کے ان کے متعلق صحیح عندیے کی تصدیق نہ ہو سکے گی۔ (23)

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان علمائے متقدمین اور متاخرین نے قرآن کریم کے مفہوم کی وضاحت میں بہت کوشش کی لیکن پھر بھی ان کے کام کو قرآن کی تشریح میں حرف آخر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ قرآن کریم کتاب اعجاز ہے اور اس کتاب کے متشابہات میں اعجاز کے پیرائے میں علم کے بے شمار خزانے چھپے ہوئے ہیں اور علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ جدید سائنسز ہمارے بیشتر چھپے ہوئے خزانوں کو ظاہر کرتی رہیں گی۔لیکن متشابہات سے متعلق یہ علم حتمی نہیں ہوگا بلکہ احتمالی ہوگا اور سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ اس کے اصل مفہوم کی طرف بڑھا جا سکتا ہے۔اس ارتقائی مرحلے میں یہ بات بھی سامنے آئے گی کہ جو معنی اور مفہوم پہلے قرار دیا گیا وہ اب غلط اور خلاف واقع ہے اور یہ ہمارے علم کا قصور ہے نہ کہ الفاظ قرآن کا۔قرآن مجید ہر ایک نقصان سے بری تھا۔ (24)

متشابہات کے مفہوم کی تلاش میں یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا اور اس کوشش میں ایک زمانے کی متشابہ آیات کو دوسرے زمانے میں محکمات میں بدلا جا سکے گا اور متشابہات کا وجود قرآن کریم میں انسان کے لئے تحقیق و تلاش کی ایک پیہم راہ متعین کرتا رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں طبیعیات، فلکیات اور دیگر فطری علوم سے متعلق آیات نازل فرمائیں لیکن ان کی تفصیلات کو چھوڑ دیا تا کہ بعد کے زمانے کے اہل علم انہیں اپنے علم کے پیمانے سے دریافت کریں اور یوں انسانی علم، قدرت کے سربستہ رازوں کی تلاش میں قیامت تک لگا رہے۔آیات متشابہات ہی نے انسانوں کے لئے سائنسی علوم کا دروازہ کھولا ورنہ صرف محکمات میں انسان کا علم محدود ہو کر جامد ہو جاتا اور متشابہات کے نزول میں یہی سب سے بڑی حکمت ہے۔

صدیوں کی متشابہ آیات جو جدید سائنسی علم کے بعد محکمات میں تبدیل ہو سکی ہیں بے شمار ہیں لیکن مشتے از خروارے کے طور پر چند ایک کا تذکرہ باعث دلچسپی ہوگا۔

انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک کرشمہ ہے اور اشرف المخلوقات ہے اور انسان کی تخلیق قرآن کریم کا مرکزی موضوع ہے۔اس لئے تخلیق انسان کے بارے میں بہت ساری آیات نازل ہوئی ہیں یہاں تک کہ پہلی ہی وحی میں انسان کی تخلیق کا ذکر کیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق بہترین انداز وساخت پر کی۔ارشاد ربانی ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (25)

ترجمہ: ہم نے بنایا آدمی خوب اندازے پر

اورقرآن کریم میں تخلیق انسانی پرمختلف زاویوں سے روشنی ڈالی گئی، درج ذیل میں تخلیق انسانی کے انہی زاویوں سے متعلق آیات متشابہات کا جائزہ سائنسی تحقیق کی روشنی میں لیا جائے گا۔ اگر چہ ان آیات متشابہات کی تفسیر مفسرین نے اپنی سمجھ کے مطابق کی اوران میں تشابہ کی وضاحت کی، چونکہ ان آیات کا تعلق سائنسی علوم سے ہے،اس لئے اس جدید دور میں ان آیات متشابہات کے اور پہلو بھی واضح ہوئے۔

عَلَق اور جدید طبی سائنسی تحقیق

قرآن کریم کے مطابق انسان کی تخلیق عَلَق سے ہوئی۔ارشاد خداوندی ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍO (26)

ترجمہ: بنایا آدمی کو جمے ہوئے خون سے

عربی لغت میں لفظ عَلَقَه یا عَلَق کے تین معنی ہیں۔

ا۔ خون کی پھٹکی رجما ہوا خون

عَلَق کا معنی خون کی پھٹکی یا جما ہوا خون ہوتو اس سلسلے میں جدید طبی سائنس مطابق

جنین کی بیرونی شکل خون کی پھٹکی سے مشابہ ہیں۔اس مرحلے میں جنین کے اندر خون گردش نہیں کرتا اور جنین خون کی پھٹکی جیسا دکھائی دیتا ہے۔(27)

۲۔ معلق شے/لٹکی ہوئی شے

عَلَق کا معنی معلق شے ہو تو جدید طبی سائنس کے مطابق اس مرحلہ کے دوران جنین رحم مادر کی دیوار سے لٹک یا چمٹ جاتا ہے۔(28)

۳۔ جونک

عَلَق کا معنی جونک ہو تو اس مرحلہ میں جنین جونک کی شکل کا ہوتا ہے اور ماں کے خون سے غذائیت حاصل کرتا ہے جس طرح جونک دوسروں کے خون سے غذا حاصل کرتی ہے۔ جدید طبی سائنس نے قرآنی لفظ عَلَق کی تینوں ہیئتوں کی وضاحت کی اور بتایا کہ ابتدائی مرحلے میں جنین جمے ہوئے خون کی طرح ہوتا ہے، رحم مادر سے معلق اور لٹکا ہوا ہوتا ہے اور اس کی شکل اور طرز عمل جونک سے مشابہت رکھتا ہے۔

جدید طبی سائنس کی وضاحت سے پہلے تفاسیر میں علق کے معنی صرف جمے ہوئے خون کے ہی کئے گئے ہیں لیکن جدید طبی سائنس نے اس لفظ کی مزید وضاحت کی اور بہت سے چھپے ہوئے رازوں کو کھولا اور عَلَق کے معنی سے پردہ اٹھایا۔

''جدید تحقیقات کے مطابق انسانی جنین (Fetus) میں کسی قسم کے جمے ہوئے خون کا کوئی قطرہ نہیں ہوتا۔ پرانے وقتوں میں چونکہ اس قسم کی تحقیق کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اس لئے قدیم مفسرین نے عَلَق کا ترجمہ جما ہوا خون کر دیا اسی طرح انگریز مفسرین نے اس کو Blood Clot یا Congealed Blood کر دیا۔ جما ہوا خون تو جنین کی یقینی طور پر موت کا نشان ہے۔خون کا"

clot"اس وقت بنتا ہے جب خون اپنا عمل چھوڑ دے یعنی اس کا مائع حصہ (Serum)اس کے ٹھوس مادوں(Corpuscles Platelets, Fiber) سے الگ ہو جائے۔"(29)

جدید طبی سائنسی تحقیق نے قرآن کریم کی متشابہ آیت کے مفہوم کی مزید وضاحت کر دی اور قرآن کے لفظ علق کے اصل مفہوم کو جامع طور پر پیش کیا اور بتایا کہ تخلیق انسانی ابتدائی مرحلہ میں جمے ہوئے خون کی طرح دکھائی دیتی ہے اور حقیقت میں وہ جما ہوا نہیں ہوتا اور اس میں زندگی ہوتی ہے۔

طین اور مَا پر جدید سائنسی تحقیق

پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے انسانی شکل دے کر اس میں اپنی روح پھونک کر تخلیق کیا۔ انسان کی مٹی سے تخلیق کے بارے میں بہت سی آیات قرآن مجید میں آئی ہیں۔ آج کی جدید سائنس نے انسانی جسم کا تجزیہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ ایک زندہ انسانی ریشہ میں 95% کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن، فاسفورس اور سلفر، 26 مختلف لوازمات کے ساتھ موجود ہے۔

انسان کی مٹی سے تخلیق کے متعلق ارشادات خداوندی ہیں:

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍO (30)

ترجمہ: جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ... (31)

ترجمہ: وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے

شیطان سے استفسار ہوا کہ آدم کو سجدے سے کیوں انکار کیا تو کہنے لگا:

... خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍO (32)

ترجمہ: ۔۔۔مجھ کو تو نے بنایا آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے

انسانی تخلیق کے لئے طِیْن یعنی مٹی کے علاوہ تراب اوصلصال کے الفاظ بھی قرآن مجید میں مستعمل ہیں مثلاً

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ...(33)

ترجمہ: وہی ہے جس نے بنایا تم کو خاک سے پھر پانی کی بوند سے پھر خون عَلَقَة سے

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارO (34)

ترجمہ: اس نے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی طرح تھی

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ(35)

ترجمہ: اور بنایا ہم نے آدمی کو کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ م بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (36)

ترجمہ: اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے اسی طرح انسانی تخلیق کے لئے سلالة کا لفظ بھی ذکر ہے جس کا مطلب ہے مٹی کا عطر یا مٹی کی تمام خصوصیات رکھنے والا مادہ۔ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ O ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ O ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط...(37)

ترجمہ: اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے۔ پھر پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں۔ پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا۔ پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی۔ پھر بنائیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر

گوشت پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں۔

مذکورہ بالا آیات میں تخلیق انسانی کی جس مادے سے تکمیل ہوئی، اس کو مختلف الفاظ میں ذکر کیا گیا یہ سب الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ انسان کی تخلیق کا اصل مادہ مٹی ہے اور یہ مٹی مختلف شکلیں بدلتی رہی۔تخلیق انسانی کے مادے سے متعلق مذکورہ بالا آیات سے اس بات کی مکمل وضاحت نہیں ہوتی تھی کہ یہ گوشت پوست کا انسان مٹی سے کیسے بنا؟ چنانچہ ان آیات کے اصل مفہوم میں تشابہ تھا۔مفسرین نے تو آیات کے ترجمہ میں یہی وضاحت کی کہ یہ مٹی کی مختلف شکلیں ہیں لیکن چونکہ ان کے پاس سائنسی تحقیق نہ تھی اس لئے وہ اپنے دعویٰ کو دلائل سے ثابت نہ کر سکے لیکن آج جدید سائنس قرآن کی اطلاع کی تصدیق کرتی ہے کہ مٹی میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جو ایک انسانی جسم میں ہوتے ہیں۔ایک 70 کلوگرام کے انسان میں جدید سائنسی تحقیق کے مطابق موجود عناصر کی تفصیل درج ذیل ہے (38)۔

چند بڑے عناصر جن کا وزن گراموں میں شمار کیا گیا ہے، کی ترتیب یوں ہے۔

عنصر	وزن (گرام میں)	فیصد
آکسیجن	43,000	65.0
کاربن	12,000	18.5
ہائیڈروجن	6,300	9.5
نائٹروجن	2,000	3.3
کیلشیم	1,100	1.5
فاسفورس	750	1.0
پوٹاشیم	225	0.35
سلفر	150	.25
کلورین	100	0.15
سوڈیم	90	0.15

میگنیشیم	35	0.05
سلیکون	30	0.05

جب کہ معمولی مقدار میں پائے جانے والے عناصر جنہیں ملی گراموں میں شمار کیا گیا ہے اور جن کی فیصد مقدار تقریباً 0.01 فی صد بنتی ہے، یہ ہیں۔

عنصر	وزن (ملی گرام میں)	فیصد
آئرن	4,200	0.01
زنک	2,400	0.01
کاپر	90	0.01
بورن	68	0.01
کوبالٹ	20	0.01
وینا ڈیم	20	0.01
آئیوڈین	15	0.01
سولینیم	15	0.01
مینگانیز	13	0.01
مولیبڈینم	8	0.01
کورمیم	6	0.01

مذکورہ جدول کے مطابق عناصر کے تجزیہ اور مقدار روزن سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ انسان اور دیگر جانداروں کی تخلیق کا سب سے اہم جزو پانی ہے۔ سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کے علاوہ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

...وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ... (39)

ترجمہ:۔۔۔اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے

مزید فرمایا

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ... (40)

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اس کے لئے جد اور سسرال

انسانی تخلیق سے متعلق اللہ تعالیٰ کی قرآنی معلومات کی سائنسی وضاحت اور تصدیق کئی سو برس بعد مائیکروسکوپ (خوردبین) کی ایجاد سے ممکن ہوسکی۔ ہر قسم کی انسانی، حیوانی اور شجری وغیرہ زندگی کو اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سائنسی تحقیق ان آیات کے مفہوم کی وضاحت ہے جن آیات کے اصل مفہوم انسان سے اوجھل تھے اور یوں ان آیات کا تشابہ کم سے کم تر ہوا،

اصحاب کہف اور جدید سائنسی تحقیق

سورۃ الکہف مشرکین کے چند سوالات کے جوابات دینے کے لئے نازل کی گئی تھی جس میں مشرکین کو یہ بتایا گیا کہ اصحاب کہف کا واقعہ قیامت کے دن انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا ایک واضح ثبوت ہے۔ اصحاب کہف کا واقعہ متشابہات میں سے تھا، اس کی سائنسی تفسیر پہلے ممکن نہ تھی کیونکہ سائنس اور طب نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، لیکن اب اس واقعے کی تصدیق سائنس سے بھی کی جاسکتی ہے۔

اس سے پہلے اس واقعہ کی تفصیل میں درج ذیل سوالات کے جوابات تسلی بخش طریقے سے دینا ممکن نہ تھا۔ اور ان میں کافی تشابہ اور اشتباہ تھا۔

۱۔ کیا وہ صرف سو رہے تھے؟

۲۔ انہیں زندہ رہنے کے لئے پانی اور خوراک کی ضرورت تو ہوگی؟

۳۔ کیا وہ کچھ وقفے کے بعد رفع حاجت کے لئے جاگتے تھے؟

۴۔ کیا انہیں مردہ حالت میں رکھا گیا؟ اگر وہ مردہ حالت میں تھے تو ان کی آنکھیں کیوں اور کیسے کھلی تھیں اور وہ کروٹ کیسے بدلتے تھے؟

لیکن اب ان سوالات کا جواب آسانی سے دیا جاسکتا ہے اور اشتباہ کا ہر پہلو سائنسی تحقیق کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے۔ اصحاب کہف کے واقعے میں قرآن کریم جن باتوں کی نشاندہی کرتا ہے، ان باتوں کی توجیہہ اور تصدیق سوائے غیب پر ایمان لانے کے اور کچھ بھی نہیں تھی۔ اصحاب کہف کے واقعے کا طبی سائنسی تجزیہ کرنے سے ان باتوں کی تصدیق ہوتی ہے اور آیات کا اشتباہ تفصیل میں بدل جاتا ہے مثلاً سماعت کا عمل کسی بھی طور پر رکتا نہیں اسی وجہ سے سونے والا قریب سے آنے والی آواز پر بیدار ہوسکتا ہے۔ انسانی کھوپڑی میں موجود آٹھویں رگ جو کان کے اندرونی حصے سے گزرتی ہے، کی دو خصوصیات ہیں ایک سننا اور دوسرا انسانی سر کو متوازن رکھنا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر انسان کے کان میں کوئی مسئلہ ہو تو اس کو چکر آنا شروع ہوجاتے ہیں۔ لیکن سماعت کے عمل کو خصوصی تھپک سے روکا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے اصحاب کہف سونے کے عمل میں بیرونی سماعت سے متاثر نہیں ہوئے کیونکہ ان کے کانوں کو بالخصوص تھپک کر سلانے کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ سماعت کا عمل نیند میں نہیں رکتا لیکن ان کی سماعت کا نیند میں ایک خاص تھپک سے روک دیا گیا تھا جیسے کانوں میں روئی وغیرہ ڈال کر کانوں کو بند کیا جاسکتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا O (41)

ترجمہ: پھر تھپک دیئے ہم نے ان کے کان اس کھوہ میں چند برس گنتی کے وہ سوئے ہوئے تھے لیکن ان کی آنکھیں کھلی تھیں اور جھپک رہی تھیں لیکن وہ کچھ دیکھ نہیں سکتے تھے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ''... (42)

ترجمہ: اور تو سمجھے وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں

ان کی آنکھیں کھلی رکھنے اور جھپکنے میں تین مصلحتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو جھپکنے کے ذریعے محفوظ رکھا کیونکہ ان کے جاگتے ہوئے محسوس ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھیں جھپکتے رہتے، اگر وہ آنکھیں نہ جھپکتے اور آنکھیں صرف کھلی رہتیں تو ان کی آنکھیں خشک ہو جاتیں۔ طبی سائنس آج ہمیں یہ بتاتی ہے اگر آنکھوں کو کافی دیر بند رکھا جائے تو نظر ختم ہو جاتی ہے کیونکہ نظر والی رگ سکڑ جاتی ہے۔

۲۔ اور اگر آنکھیں بند ہوتیں اور نہ جھپکتیں تو خشک ہو جاتیں اور لوگ انہیں مردہ سمجھ کر دفنا دیتے یا ان کی اشیاء کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے۔ ان کے پاس موجود پرانے زمانے کے سکوں کو ہی چرا لیتے۔ آنکھیں کھلی ہونے اور جھپکنے کے باعث کسی میں اندر آنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

۳۔ آنکھیں کھلی ہونے کے باعث باہر سے دیکھنے والوں پر رعب اور دہشت طاری ہو جاتی جس کی وجہ سے کسی کو اندر داخل ہونے کی جرأت نہ ہوتی اور وہ ان کے پاس نہ جا سکتے۔

ارشاد ربانی ہے:

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا O (43)

ترجمہ: اگر تو جھانک کر دیکھے ان کو تو پیٹھ دے کر بھاگے ان سے اور بھر جائے تجھ میں

دہشت ان کے پٹھے حرکت نہیں کرتے تھے اگر چہ وہ زندہ تھے لیکن ان کی کروٹ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بدلتی رہتی تھی۔ارشاد خداوندی ہے:

وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ... (44)

ترجمہ: اور کروٹیں دلاتے ہیں ہم ان کو دائیں اور بائیں کیونکہ کروٹ نہ بدلنے کی صورت میں انہیں زخم ہو جاتے جیسے اکثر مریضوں کو جو فالج وغیرہ کے شکار ہوتے ہیں، ہو جاتے ہیں۔

ان کے باقی اعضاء کی کیفیت ایسی کر دی گئی جو آج کل انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے دوران کی جاتی ہے مثلاً گردے وغیرہ کی پیوند کاری کے لئے کسی دوسرے جسم میں منتقل کرنے سے قبل اس عضو کو محفوظ کر لیا جاتا ہے اور اس مقصد کے لئے اسے ایک خاص قسم کے درجہ حرارت میں رکھا جاتا ہے اور اسے گرمی سے بچایا جاتا ہے۔اس کی ایک مثال مردہ خانے ہیں جہاں لاشوں کو فریز کر دیا جاتا ہے تا کہ وہ خراب نہ ہوں اس کے علاوہ مردہ کے پاس برف رکھ کے اسے جنازے کے وقت تک محفوظ کیا جاتا ہے۔

اس مقصد کے لئے ان کے لئے ایسے غار کا انتخاب کیا گیا جس میں سورج کی روشنی داخل ہی نہیں ہوتی تھی۔غار عموماً ٹھنڈے ہوتے ہیں۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ... (45)

ترجمہ: اور اور تو دیکھے دھوپ جب نکلتی ہے بچ کر جاتی ہے ان کی کھوہ سے دائیں کو اور جب ڈوبتی ہے کترا جاتی ہے ان سے بائیں کو اور وہ میدان میں ہیں اس کے۔

اس طرح حرارت ان کے غار میں داخل نہیں ہو سکتی تھی اور ان کے اجسام کو مکمل طور پر اتنے لمبے عرصے تک محفوظ کرنے کے لئے ضروری ٹھنڈک موجود تھی۔اس طرح محفوظ ہونے کی وجہ سے

انہیں خوراک، پانی اور دیگر طبعی ضروریات کی ضرورت نہیں پڑی۔

ان سب باتوں کی امکانی توجیہہ جدید طبی سائنس پیش کرتی ہے اور وہ تفصیل جو پہلے مشتبہ تھی اب واضح نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کی عمر بھی نہیں بڑھی اور نہ ہی ان کے چہروں کے خدوخال تبدیل ہوئے اور نہ ہی ان کی یاد داشت پر کوئی اثر پڑا۔ کیونکہ ان کا دماغ محفوظ رکھا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

... قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ... (46)

ترجمہ: ۔۔۔ایک بولا ان میں سے کتنی دیر ٹھہرے تم، بولے ہم ٹھہرے ایک دن یا ایک دن سے کم ۔۔۔ دماغ کے محفوظ ہوجانے کے باعث اتنے سالوں بعد بھی انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور انہیں اپنے ساتھ پیش آئے سارے واقعات بھی یاد تھے اسی لئے انہوں نے اپنے ساتھی کو بازار جانے کو کہا۔ ارشاد خداوندی ہے:

... فَابۡعَثُوۡۤا اَحَدَكُمۡ بِوَرِقِكُمۡ هٰذِهٖۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ ... (47)

ترجمہ: ۔۔۔اب بھیجو اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ دے کر اپنا اس شہر میں ۔۔۔

اور یہی کیفیت ان کے کتے کی بھی کر دی گئی۔ ارشاد خداوندی ہے:

...وَكَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ... (48)

ترجمہ: ۔۔۔اور کتا ان کا پسار رہا تھا اپنی چوکھٹ پر

اس سارے واقعے میں جدید طبی سائنس کی ایجاد میڈیکل وینٹی لیٹر (Medical Ventilator) ہے جس کی مدد سے بالکل اسی طرح انسان کو کافی عرصہ تک زندہ رکھا جا سکتا ہے۔

تخلیق کائنات اور جدید سائنسی تحقیق

تخلیق کائنات سے متعلق بہت سی باتوں کو قرآن کریم میں ذکر کیا گیا، یہ قرآنی معلومات پہلے صرف ایمان بالغیب تک محدود تھیں لیکن ان کی صحیح توجیہات اور تفصیل بیان کرنا ایک مشتبہ امر تھا۔ لیکن عصر حاضر کی سائنسی تحقیقات نے اس اشتباہ سے پردہ اٹھایا اور تخلیقی عمل سے متعلق مشتبہ امور کی صحیح وضاحت اور تفصیل متشابہات سے نکل کر محکمات کے دائرے میں داخل ہونا شروع ہوئی اور یوں یہ عمل سائنسی انکشافات سے قیامت تک جاری رہے گا۔ تخلیق کائنات کے بارے میں جدید فلکیات سے متعلق بیسویں صدی کے اوائل میں بہت اہم معلومات سامنے آئیں۔

1915ء میں آئن سٹائن کے عمومی نظریہ اضافیت کے بعد 1922ء میں الیگزینڈر فرائیڈمین کا حساب کہ کائنات کی ساخت ساکن (Static) نہیں اور پھر 1929ء میں ایڈون ہبل کی تحقیقات نے سائنس دانوں کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ اگر اب کائنات پھیل رہی ہے تو کبھی نہ کبھی یہ ساری کائنات یقیناً ایک جگہ جمع رہی ہوگی جو اس کی پیدائش کا نقطۂ آغاز ہوگا۔ آج اسی نظریے کو بگ بینگ (Big Bang) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (49)

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم بگ بینگ کے متعلق لکھتے ہیں۔

''بگ بینگ نظریے کے خالق بلجیم کے ماہر فلکیات جارجز لیمے تر (G. Lemaitre) تھے۔ جنہوں نے یہ نظریہ 1927ء میں تجویز کیا تھا اب تمام سائنس دان اسی نظریے کے حق میں ہیں۔ (50)

بگ بینگ پر سائنس دانوں کا نظریہ ہے:

The Big Bang theory is the prevailing cosmological model that describes the early development of the Universe. According to the Big Bang theory, the Universe was once in an extremely hot and dense state which expanded rapidly. This rapid expansion caused the Universe to cool and resulted in its present

continuously expanding state. According to the most recent measurements and observations, the Big Bang occurred approximately 13.75 billion years ago, which is thus considered the age of the Universe. After its initial expansion from a singularity, the Universe cooled sufficiently to allow energy to be converted into various subatomic particles, including protons, neutrons, and electrons.(51)

ترجمہ: بگ بینگ تھیوری عام طور پر کائنات کی ابتدا اور تاریخ کے بارے میں بحث کرتی ہے بگ بینگ تھیوری کے مطابق کائنات بہت ہی گرم اور جڑی ہوئی حالت میں تھی جو تیزی سے پھیلنا شروع ہوئی ۔ تیز رفتار پھیلاؤ کی وجہ سے کائنات ٹھنڈی ہوتی گئی جس کے نتیجے میں موجودہ پھیلتی ہوئی کائنات وجود میں آئی ۔ حالیہ پیمائشوں اور تحقیق کے مطابق یہ واقع 13.75 ارب سال قبل پیش آیا جسے کائنات کی عمر تصور کیا جاتا ہے ۔ اکائی سے ابتدائی پھیلاؤ کے بعد کائنات اتنی ٹھنڈی ہوگئی کہ توانائی ایٹم کے چھوٹے ذرات، جن میں پروٹان، نیوٹران اور الیکٹران شامل ہیں، میں تبدیل ہوگئی ۔ بگ بینگ اور قرآنی نکتہ نظر بگ بینگ نظریہ تو کم وبیش ایک صدی قبل منظر عام پر آیا لیکن قرآن حکیم اس کے بارے میں بہت پہلے ان الفاظ میں اس کے متعلق بتا چکا ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا ؕ... (52)

ترجمہ: کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا۔

رَتْق اور فَتْق کے تصور کے تحت قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ مادہ اور توانائی ابتداء میں ایک ہی چیز تھے ۔ مادہ سمٹی ہوئی توانائی ہے اور توانائی مادے کی آزاد شدہ شکل ۔ (53)

آیت کریمہ میں قرآن کا خطاب بھی کفار سے ہے اور یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے کہ اس نے

بہت پہلے بتا دیا کہ تخلیق کائنات کا راز جاننے کی کوشش پہلے کفار ہی کریں گے کیونکہ مسلمان تو پہلے ہی اس بات پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اس لئے وہ راز کو جاننے کی کوشش ہی نہیں کریں گے۔

ربوبیت کی طاقت اور دباؤ کے عمل نے آسمانوں اور زمین کو پھاڑ کر ایک دھماکے سے جدا جدا کر دیا۔ یہ قرآنی راز 'آئن سٹائن' کے نظریہ اضافیت کے ذریعے بیسویں صدی کے اوائل میں منظر عام پر آیا۔(54)

قرآن حکیم تخلیق کائنات کے اور سربستہ رازوں کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَان'' فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًاط قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ O (55)

ترجمہ: پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا پس اسے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے۔ دونوں نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں۔

قرآن کریم کے بیان کے مطابق دھماکے کے بعد پوری کائنات میں دھواں پھیلا ہوا تھا اور سخت تپش تھی جس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ پھر ایک لمبا عرصہ گزرنے کے بعد کائنات لمحہ بہ لمحہ ٹھنڈی ہو کر مادہ کی شکل میں نمودار ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس میں مختلف اشکال کی مخلوقات کو بنایا اور ہر مخلوق کے لئے ایک مخصوص وقت مقرر فرمایا اور اس کے لئے مخصوص قوانین قدرت مقرر کئے اور یہ کائنات ایک مخصوص وقت تک قدرت کے وضع کردہ قوانین کے تحت چلتی رہے گی۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرO وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃ'' کَلَمْحٍ م بِالْبَصَرO (56)

ترجمہ: ہم نے ہر شے ایک مقرر اندازے سے بنائی ہے۔اور ہمارا حکم تو یکبارگی ایسے (واقع) ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا۔

آیت مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق کائنات کا یہ عمل ایک حکم کی تعمیل میں ہونے والا ایک دھماکا تھا جو اچانک ہوا۔

تخت بلقیس اور جدید سائنس

حضرت سلیمانؑ کے معجزات قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں۔ان کی حکومت صرف انسانوں پر ہی نہیں بلکہ جنوں اور پرندوں اور کائنات کی ہر چیز پر بھی تھی۔بلقیس، جسے ملکہ سبا بھی کہا جاتا ہے، جب حضرت سلیمانؑ سے ملنے کے لئے یمن سے روانہ ہوئی تو حضرت سلیمانؑ نے اپنے درباریوں سے فرمایا:

قَالَ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ (57) O

ترجمہ: بولا اے دربار والو! تم میں کوئی ہے کہ لے آئے میرے پاس اس کا تخت پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس حکمبردار ہو کر ان کے جواب میں پہلے ایک طاقتور جن نے کہا

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ O (58)

ترجمہ: بولا ایک دیو جنوں میں سے، میں لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے اس سے کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے اور میں اس پر زور آور ہوں معتبر اور بعد میں ایک انسان نے، جو حضرت سلیمانؑ کا وزیر تھا اور آصف بن برخیا کے نام سے مشہور تھا، اپنی خدمات پیش کیں۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ

طَرْفُکَ ط ... (59)

ترجمہ: بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا میں لائے دیتا ہوں تیرے پاس اس کو پہلے اس سے کہ پھر آئے تیری طرف تیری آنکھ بلقیس یا ملکہ سبا کا تخت مأرب ،ملک یمن میں تھا(60) اور حضرت سلیمانؑ بیت المقدس، موجودہ فلسطین میں تشریف فرما تھے۔تخت بلقیس سے متعلق درج ذیل باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ یمن اور فلسطین کا فاصلہ 1409.20 میل جو 2267.89 کلومیٹر بنتا ہے۔(61)

اتنے دور سے تخت لے کر آنا ممکن ہے یا نہیں؟

۲۔ حضرت سلیمانؑ کے وزیر کے پاس کس کتاب کا علم تھا؟

اگر روشنی کی رفتار کو مدنظر رکھا جائے تو یہ فاصلہ ایک سیکنڈ کے ایک سو چوبیسویں حصے میں طے ہو جانا چاہیے۔انسانی آنکھ کم سے کم ایک سیکنڈ کے پندرھویں حصے یا زیادہ سے زیادہ بیسویں حصے میں جھپکتی ہے۔یہ تخمینہ شدہ وقت آنکھ کے جھپکنے سے بھی بہت ہی کم ہے۔یہی وجہ ہے کہ آصف نے آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لانے کی پیشکش کر دی۔(62)

آواز کی رفتار کا دارومدار ہوا کی کثافت پر ہوتا ہے جبکہ کثافت کا انحصار درجہ حرارت پر ہوتا ہے ۔ اگر ہم اس وقت درجہ حرارت 20 ڈگری سینٹی گریڈ فرض کریں تو آواز کی رفتار 767.58 میل فی گھنٹہ یا 1235.3 کلومیٹر فی گھنٹہ ہوگی۔(63)

اس رفتار سے سفر کرتے ہوئے آنے جانے کا کل وقت تقریباً ساڑھے تین سے چار گھنٹے بنتا ہے۔غالباً یہی وقت دربار برخواست کرنے میں باقی ہوگا تبھی اس جن نے چند گھنٹے کی مہلت دربار کے برخواست کرنے کے حوالے سے مانگی اور اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ کا حوالہ دے کر اس جن

کے سفر کرنے کی صلاحیت کا راز اس آیت میں چھپا دیا۔ (64)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے جن اور انسان کی طاقت کا مقابلہ کر کے ایک اور غور طلب پہلو کی طرف اشارہ فرما دیا یعنی آواز اور روشنی کی رفتار میں فرق اور تناسب۔ تخت بلقیس میں چند اور باتوں کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

☆ ملکہ بلقیس اپنے محل سے حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے یمن سے نکل پڑی تھی اور اس کے پہنچنے سے پہلے حضرت سلیمانؑ نے تخت فلسطین منگوایا۔

☆ تخت منگوا تو لیا گیا لیکن اسے واپس بھجوانے کا تذکرہ موجود نہیں۔

☆ منگوایا گیا تخت تھوڑی بہت تبدیلی کر کے ملکہ کو دکھایا گیا۔

☆ ملکہ کے قاصدوں کے واپس جانے کے بعد ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضری کی تیاری کی۔ اس سارے عمل میں بھی کافی دن لگے ہوں گے۔ کیونکہ حضرت سلیمانؑ کا قاصد تو ایک پرندہ (ہدہد) تھا جبکہ ملکہ کے قاصدوں کو تو زمینی سفر سے ہی آنا اور جانا تھا۔

تخت بلقیس سے متعلق قرآن کی بیان کردہ معلومات پر ایمان لانا پہلے صرف ایمان بالغیب تھا اور اس واقعہ کے ہر پہلو میں اشتباہ تھا اور اس واقعہ سے متعلق قرآنی معلومات متشابہات تھیں جن کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہ تھا لیکن دور جدید کی ٹیکنالوجی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ واقعہ کئی طرح سے ممکن اور آج کل کے حالات میں انتہائی آسان معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً

☆ ویڈیو کانفرنس

☆ انٹرنیٹ/ای میل

☆ 3D گرافکس

☆ Holograohic Projection

☆ Tele-Immersion

آج کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی روشنی میں یہ واقعہ ان سب طریقوں سے ممکن ہے ہوسکتا ہے کہ ملکہ کا محل Holograohic Projection کی مدد سے لایا گیا ہو۔اس تکنیک کی مدد سے کسی بھی شے کو دنیا کی کسی بھی کونے میں بیٹھ کر اپنے سامنے محسوس کیا جاسکتا ہے۔مطلوبہ شے کو براہ راست یا پہلے سے ریکارڈ کر کے، یہاں تک کہ اس میں تبدیلی کر کے ایسے دیکھا جاسکتا ہے گویا وہ واقعتاً وہاں موجود ہو۔اور اس کو واپس بھجوانے کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ وہ مادی طور پر وہیں تھا۔اس میں اتنی جلدی تبدیلی بھی اسی طریقہ سے ممکن ہے۔

اس سے زیادہ جدید طریقہ جس پر کام ہورہا ہے وہ ہے Tele-Immersion جس کی مدد سے بہت سارے لوگوں کو جسمانی طور پر لائے بغیر ایک کمرے میں بٹھایا جائے گا جہاں پر وہ کسی بھی قسم کی میٹنگ وغیرہ کرسکیں گے۔اور جلد ہی لاس اینجلس، نیویارک، ٹوکیو اور پیرس میں کام کرنے والے ایک دوسرے کو ملیں گے اور ہاتھ ملائیں گے جبکہ جسمانی طور پر وہ اپنے اپنے گھروں میں موجود ہونگے۔(65)

اس ٹیکنالوجی کو استعمال کرنے والے ایسا محسوس کریں گے کہ وہ واقعی ایک دوسرے کو دیکھ، مل اور باتیں کرسکتے ہیں اور وہ ایک ہی کمرے میں بیٹھے ہیں۔(66)

اس قسم کے کامیاب سائنسی تجربوں سے واضح ہوتا ہے جب کبھی یہ علم ایک باقاعدہ سائنس کی حیثیت اختیار کر کے اپنے عروج پر پہنچے گا تو بھاری تخت کا ڈھائی ہزار کلومیٹر کا سفر پلک جھپکنے سے پہلے طے کرنا ناممکن نہیں ہوگا۔(67)

جس وزیر نے تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے لاکر پیش کردیا اس شخص کے پاس کتاب کا

علم تھا، وہ کون سی کتاب تھی؟ قرآن تو اس کے بہت بعد نازل ہوا تھا۔

قرآن نے عندہ علم من الکتاب کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ وہ قوانین فطرت کا علم تھا جسے سائنس کہا جاتا ہے۔ آصف بن برخیا اپنے وقت کا عظیم سائنٹسٹ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس علم سے نوازا تھا۔ آصف بن برخیا کو عطا کردہ علم وہی تھا جو آج جدید سائنس کہلاتی ہے۔

فرعون کی لاش اور جدید سائنسی تحقیق

قرآن کریم کی حیرت انگیز پیشن گوئیوں میں ایک فرعون مصر منفتاح کی لاش کی حفاظت بھی ہے۔ اس فرعون کو انگریزی میں (Meneptah) اور اردو یا عربی میں منفتاح کہا جاتا ہے جو فرعون مصر رعمسیس دوم (Rameses II) کا بیٹا تھا۔ منفتاح نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا اور بحیرۂ احمر میں ڈوب گیا تھا۔ قرآن کریم نے بتایا کہ اس کی لاش کی حفاظت کی جائے گی۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (68)

ترجمہ: سو آج بچائے دیتے ہیں ہم تیرے بدن کو تاکہ ہو تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا کہ فرعون کی لاش واقعی محفوظ ہے اور اس کی حفاظت کا کیا مطلب ہے۔ اس کی تفصیل متشابہ اور مبہم تھی۔ 1898ء میں پروفیسر لورٹ (Loret) پہلا شخص تھا جس نے فرعون کی باقیات کو حنوط شدہ صورت میں دریافت کیا۔ جبکہ 8/جولائی 1907ء کو ایلیٹ سمتھ (Elliot Smith) نے اس کا سائنسی معائنہ کیا اور تحقیق سے ثابت کیا کہ یہی وہ فرعون ہے جس نے حضرت موسیٰؑ کا تعاقب کیا تھا کیونکہ اس ممّی میں نمکیات کی تعداد بہت زیادہ تھی اور بیکٹیریا کے اثر سے بچی ہوئی تھی اور یہ نمکیات اس کے سمندر میں رہنے کے دوران اس کی لاش میں شامل ہو گئے تھے۔ (69)

یوسف الحاج احمد، مصری ممیوں پر کی گئی تحقیق، جس میں وہ بذات خود دیگر سائنس دانوں

کے ہمراہ موجود تھے، کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

"...all the Egyptian mummies had started showing signs of dissolution as a result of the impact of a strange bacteria -- with the only exception being that of Prophet Moosa's Fir'wan (Pharaoh).(70)

ترجمہ: تمام مصری ممیوں میں ایک عجیب بیکٹیریا کی وجہ سے خرابی کے نشان آنا شروع ہو گئے ہیں ماسوائے پیغمبر موسیٰؑ والے فرعون کے۔

اس فرعون کی لاش میں نمکیات کی زیادتی کی وجہ سے دوسری ممیوں پر اثر انداز ہونے والے بیکٹیریا نے اثر نہیں کیا لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہی ممکن ہو سکا ہے جس نے اس کی لاش کو خرابی کے نشان سے محفوظ کرنے کے لئے سمندری نمکیات کی تعداد اس کی لاش میں بڑھا دی۔

اس جدید سائنسی تحقیق سے پہلے مفسرین حیران رہے کہ یہ 'بدن کو بچانے' کا کیا مطلب ہے۔ لیکن بیسویں صدی کے ربع اول میں جب فرعون کی لاش برآمد ہوئی اور اس پر سائنسی تحقیق سے تجربات کر کے اصل حقیقت کو واضح کیا گیا تو یہ متشابہ آیت، مفہوم واضح ہونے کے بعد محکمات میں داخل ہو گئی۔(71)

کہکشائیں اور جدید سائنس

کائنات میں لاکھوں کی تعداد میں کہکشائیں موجود ہیں۔ کہکشاں کو انگریزی میں گیلیکسی (Galaxy) اور ملکی وے (Milky Way) کہا جاتا ہے۔ گیلیکسی سے مراد ایک ایسا نظام ہے جس میں اربوں اور کھربوں کی تعداد میں چھوٹے بڑے ستاروں کے جھرمٹ، گیسوں اور گرد و غبار کے ساتھ ایک معینہ راستے پر چلتے رہتے ہیں۔ ایک چھوٹی گیلیکسی میں موجودہ فلکیاتی تحقیق کے اندازے میں کم از کم ستر لاکھ ستارے محو سفر ہوتے ہیں جو زیادہ بڑی

گیلیکسی میں ایک ارب اور اس سے بھی زیادہ تک ہو سکتے ہیں یعنی مختلف قسم کی کہکشاؤں میں ستاروں کی تعداد مختلف ہو سکتی ہے۔ انہیں مِلکی وے اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان میں دودھیا روشنی والا راستہ بن جاتا ہے۔(72)

کہکشاؤں کی تعداد کے بارے میں ہبل دوربین سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان کی تعداد کروڑوں میں یا اس سے زیادہ ہے۔

The Hubble Deep Field, an extremely long exposure of a relatively empty part of the sky, provided evidence that there are about 125 billion galaxies in the Universe.(73)

ترجمہ: ہبل ڈیپ فیلڈ، جو کہ بہت دور سے آسمان کے قدرے خالی حصے سے گزر کر منظر کشی کر سکتا ہے، نے یہ ثبوت فراہم

کیا ہے کہ کائنات میں تقریباً ایک سو پچیس بلین کہکشائیں ہیں۔

''تاہم وہ کہکشاں جس سے ہمارا تعلق ہے باوجود اس کہ اس قدر حیرت انگیز طور پر وسیع ہے، لیکن یہ سماوات کا محض ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔''(74)

کہکشاؤں کی اتنی بڑی تعداد کو قرآن نے شاہراؤں کے جال سے تشبیہ دیتے ہوئے ان سے متعلق بہت پہلے ارشاد خداوندی ہے:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُک (75)

ترجمہ: ان بلندیوں کی قسم جن میں شاہراہوں کا جال بچھا ہوا ہے۔

حُبُک کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں مثلاً دھاریاں (خواہ وہ کپڑے میں ہوں یا بالوں میں) حُبُک ان لہروں کو بھی کہتے ہیں جو ہوا کے چلنے سے ریت یا ساکن پانی میں پیدا ہوتی ہیں اور

اس کا مفہوم راستہ بھی لیا جاتا ہے۔حُبُک کے لفظ میں تسلسل اور درازی کا مفہوم بھی لیا جاتا ہے۔ آسمان میں موجود کہکشاں میں یہ سب خصوصیات پائی جاتی ہیں۔کہکشائیں آسمانی فضا میں اسی طرح دکھائی دیتی ہیں جس طرح ریت یا پانی کی سطح پر ہوا سے بننے والی لہریں یا کپڑے کی دھاریاں وغیرہ۔(76)

قرآن کریم کی قدیم تفاسیر میں اس سے مراد صرف سورج اور چاند اور باقی ستاروں کے ان راستوں کا مطلب راہوں والا آسمان جس پر سورج اور چاند اور ستارے گردش کرتے ہیں، لیا گیا تھا۔ جب کہ جدید سائنس نے اس عظیم قرآنی انکشاف کی مزید تفصیل پیش کی جو پہلے مشتبہ تھی۔

فلکیاتی کہکشاؤں پر تحقیق 1610ء میں نامور سائنس دان اور ماہر فلکیات گیلیلو گیلیلی نے شروع کی تھی لیکن جدید نظریات 1990ء میں منظر عام پر آئے۔جوں جوں سائنس کا علم مزید ترقی کی منازل طے کرے گا اس آیت کی تفسیر میں نئے نئے انکشافات آتے رہیں گے اور یوں قرآن کریم کی نظام شمسی اور کہکشاؤں سے متعلق آیات کے مفہوم، اشتباہ سے تفصیل کی طرف رواں دواں ہوں گے اور یہ عمل مسلسل جاری رہے گا اور سائنس، کائنات اور فلکیات سے متعلق قرآن کریم کے نظریات کو واضح کرتی رہے گی اور قرآن کی حقیقت کو دلائل سے ثابت کرتی رہے گی اور یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَق...(77)

ترجمہ: اور ہم ان پر کائنات میں اپنی نشانیوں کو واضح کریں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے۔

اونٹ اور جدید سائنسی انکشافات

نزول قرآن کے وقت عربوں کے ہاں اونٹ کا استعمال زیادہ تھا اس لئے قرآن حکیم نے اس کا ذکر صراحت کے ساتھ کیا اور اس کی تخلیق پر غور کرنے کا حکم بھی دیا۔ قرآن میں اس بارے میں ارشاد ہے کہ

اَفَلاَ یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَت O (78)

ترجمہ: بھلا کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں پر کہ کیسے بنائے ہیں

اونٹ دیگر تمام حیوانات کی طرح کا ایک عام سا جانور ہے پھر اس کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی؟ پتھر میں سے بھی حضرت صالح علیہ السلام کے لئے ایک اونٹنی کو ہی کیوں پیدا کیا گیا؟ اور بھی بہت سارے عجیب وغریب جانور ہیں ان کی مثال بھی دی جاسکتی تھی۔

جدید سائنس نے اس کی جسمانی ساخت کی حیرت انگیز خصوصیات سے پردہ اٹھایا اور اس میں بہت ساری ایسی خوبیاں بیان کیں جو اسے دوسرے حیوانات سے جدا کرتی ہیں مثلاً

☆ ہر قسم کے ناموافق حالات میں بھی زندہ رہ سکتا ہے۔

☆ اونٹ اپنے منہ کی ساخت کی وجہ سے اونچے درختوں سے سوکھی ہوئی ٹہنیاں بھی چبا جاتا ہے۔

☆ یہ پانی پیئے بغیر کئی ہفتوں تک سفر کرسکتا ہے۔

☆ اونٹ نہایت ہی مختصر وقت میں 25 گیلن پانی پی لیتا ہے۔

☆ اونٹ کے جسم کا بہت کم پانی فضلے میں ضائع ہوتا ہے۔

☆ اونٹ اپنے جسم میں 30% پانی کی کمی نہ صرف برداشت کر لیتا ہے بلکہ بوجھ اٹھا کر میلوں کا سفر کر لیتا ہے۔

☆ دیگر جانوروں میں پانی کی کمی کی وجہ سے خون گاڑھا ہو جاتا جس سے ان کی موت بھی واقع ہوسکتی ہے لیکن اونٹ کے جسم کا پانی اس کے جسم کی تمام بافتوں میں گھل مل جاتا اور ضرورت کے تحت اپنی بافتوں سے اپنی پیاس بجھاتا ہے اور کئی ہفتے تک زندہ رہ سکتا ہے۔

☆ اونٹ اگر ایک دفعہ راہ دیکھ لے تو اسے کئی برسوں تک یاد رکھتا ہے، خواہ اسکے پاؤں کے تمام نشان مٹ گئے ہوں۔

☆ اس کے چپٹے پاؤں اسے ریت میں اپنے طویل جسم کا توازن برقرار رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔(79)

یہ وہ چند معلومات ہیں جو جدید حیواناتی سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوئی ہیں جن کے باعث قرآن حکیم میں اونٹ کی تخلیق پر غور کرنے پر زور دیا تھا۔قدیم تفاسیر میں اونٹ کی صرف ظاہری ساخت پر بات کی گئی مثلاً اتنا بڑے ہونے کے باوجود انسان کا تابع ہونے، سواری کے کام آنے اور گوشت کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس پر غور کرنا بیان کیا گیا جب کہ جدید حیواناتی تحقیق کی مدد سے اس کی دیگر خصوصیات سامنے آگئیں اور ہوسکتا ہے کہ ابھی بھی اللہ تعالیٰ کے اونٹ کی تخلیق کے سربستہ رازوں کے لئے ناکافی ہوں اور آگے چل کے اس کی مزید خصوصیات سامنے آسکیں جس میں انسان کے لئے کوئی خصوصی سبق رکھا گیا ہو۔

حضرت عزیرؑ کا واقعہ اور جدید سائنس

حضرت عزیرؑ بیت المقدس کے پاس سے گزرے جسے بخت نصر تباہ کر چکا تھا۔سوچنے لگے کیا اس ہلاک شدہ بستی کا احیاء ثانی ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سو سال کے لئے موت دے دی اور پھر زندہ کر کے فرمایا

... فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّهْ...(80)

ترجمہ: اب دیکھ اپنا اور پینا سڑ نہیں گیا

حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ میں بیان شدہ اشیاء کو پہلے صرف ایک معجزاتی کام سمجھ کر ایمان بالغیب کے طور پر مانا جاتا تھا۔قدیم مفسرین نے انہی باتوں کی اپنے اپنے علم کے مطابق وضاحت کی۔لیکن اس واقعہ میں پوشیدہ سائنسی راز مشتبہ تھے۔جن کی وضاحت آج سے پہلے ممکن نہ تھی۔لیکن آج کی جدید سائنس میں اس واقعہ کو مختلف انداز میں پیش کرنا ممکن ہوا۔مثلاً اس واقعہ میں سائنسی دلچسپی کی بات یہ ہے کہ دودھ اور انجیر خراب کیوں نہ ہوئے؟ شاید یہ انسان کے لئے ایک پیغام ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء کو زیادہ عرصہ تک محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔موجودہ زمانے میں ماہرین اشربہ اور اغذیہ کو اس مہارت اور قابلیت سے ڈبوں میں بند کرتے ہیں کہ سالہا سال خراب نہیں ہوتیں۔(81)

آج کا انسان سو برس یہ دیکھنے کے لئے زندہ تو نہیں رہ سکتا کہ اس کی محفوظ کی ہوئی اشیاء ٹھیک ہیں یا نہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ آنے والے وقتوں میں سائنس اتنی ترقی کرلے کہ خوراک کو زیادہ عرصے تک ذخیرہ کیا جا سکے۔حضرت عزیر علیہ السلام سے متعلق آیت کے مفہوم کو آبادی میں اضافے کی وجہ سے ہونے والی تشویش کے ختم کرنے یا بڑھتی ہوئی جنگوں اور فسادات کے دوران خوراک مہیا کرنے جیسے مسائل حل کرنے کے لئے بھی زیر بحث لایا جاسکتا ہے اور سائنس ان خطوط پر مزید تحقیق کرکے واقعے میں دیئے گئے اشارات کو مزید واضح کرسکتی ہے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

1. القرآن؛ سورۃ النحل:۱۶، آیت:۴۴
2. شاہ ولی اللہ دہلوی، ترجمہ سید محمد مہدی الحسنی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، قرآن محل، کراچی، س ن، ص ۱۰۷
3. السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمٰن بن کمال، ترجمہ مولانا محمد حلیم انصاری، الاتقان، میر محمد کتب خانہ، کراچی، حصہ دوم، ص ۳۳ تا ۳۵
4. ایضاً، ص ۳۵
5. القرآن؛ سورۃ البقرۃ:۲، آیت:۲۶
6. محمد عاشق الٰہی، مفتی، انوار البیان، مکتبہ حقانیہ، ملتان، س ن، ص ۳۹۶
7. السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمٰن بن کمال، ترجمہ مولانا محمد حلیم انصاری، الاتقان، میر محمد کتب خانہ، کراچی، حصہ دوم، ص ۳۳
8. احمد یار خان، مفتی، تفسیر نعیمی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، س ن، ص ۲۵۳
9. عبدالرحمٰن کیلانی، مولانا، تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، لاہور، ۱۴۲۶ھ، ص ۲۴۷
10. ابن کثیر، عماد الدین ابوالفداء، ترجمہ محمد جونا گڑھی، مولانا، تفسیر ابن کثیر، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۳، ص ۴۵۶
11. احمد یار خان، مفتی، تفسیر نعیمی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، س ن، ص ۲۵۳
12. برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، دو قرآن، اسد پبلی کیشنز، لاہور، س ن، ص ۲۸۲
13. ذاکر نائیک، ڈاکٹر، ترجمہ: زاہد کلیم، حقیقت قرآن، رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۷، ص ۱۱
14. القرآن؛ سورۃ البقرہ:۲، آیت:۲۴۲
15. القرآن؛ سورۃ النساء:۴، آیت:۸۲
16. ایضاً، آیت:۹۸
17. القرآن؛ سورۃ الرعد:۱۳، آیت:۳
18. محمد ثناء اللہ عثمانی، قاضی، تفسیر مظہری، دار الشاعت کراچی، ۱۹۹۹، ص ۱۲۶

19. عبدالکریم الاثری، تفسیر عروۃ الوثقیٰ، مکتبہ الاثریہ، گجرات، ۱۹۹۵، ج ۲، ص ۶۰
20. القرآن؛ سورۃ یٰسین: ۳۶، آیت: ۳۸
21. ایضاً، آیت: ۳۹ 22. ایضاً، آیت: ۴۰
23. المشرقی، محمد عنایت اللہ خان، تذکرہ، الحاج محمد سرفراز خان، متولی و منتظم علامہ ٹرسٹ، ج ۱، س ن، ص ۴۹
24. سید احمد خان، سر، تفسیر القرآن، رفاہ عام سٹیم پریس، کشمیری بازار، لاہور، س ن، ج ۲، ص ۳، ۴
25. القرآن؛ سورۃ التین: ۹۵، آیت: ۴
26. القرآن؛ سورۃ العلق: ۹۶، آیت: ۲
27. آئی اے ابراہیم، محسن فارانی، اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات، دارالسلام، لاہور، ۲۰۰۶، ص ۴۵
28. ایضاً
29. فضل کریم، ڈاکٹر، پروفیسر، قرآن کے جدید سائنسی انکشافات، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۹، ص ۲۵۵
30. القرآن؛ سورۃ صٓ: ۳۸، آیت: ۷۱ 31. القرآن؛ سورۃ الانعام: ۶، آیت: ۲
32. القرآن؛ سورۃ الاعراف: ۷، آیت: ۱۲ 33. القرآن؛ سورۃ المومن: ۴۰، آیت: ۶۷
34. القرآن؛ سورۃ الرحمٰن: ۵۵، آیت: ۱۴ 35. القرآن؛ سورۃ الحجر: ۱۵، آیت: ۲۶
36. ایضاً، آیت: ۲۸ 37. القرآن؛ سورۃ المومنون: ۲۳، آیت: ۱۲
38. Dr. Sharif Kaf Al Ghazal, Reflections on the Medical Miracles of the Holy Quran,
ww.islamicmedicine.org/medmiraclesofquran/medmiracleseng.htm
39. القرآن؛ سورۃ الانبیاء: ۲۱، آیت: ۳۰ 40. القرآن؛ سورۃ الفرقان: ۲۵، آیت: ۵۴
41. القرآن؛ سورۃ الکہف: ۱۸، آیت: ۱۱ 42. ایضاً، آیت: ۱۸
43. ایضاً 44. ایضاً
45. ایضاً، آیت: ۱۷ 46. ایضاً، آیت: ۱۹

47. ایضاً 48. ایضاً، آیت:۱۸

49. مخدوم زادہ، ابومحمد، قرآن اور تخلیق کائنات، مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۰۶، ص۳۸

50. فضل کریم، ڈاکٹر، پروفیسر، کائنات اور اس کا انجام، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۷، ص۱۸۷

51. http://en.wikipedia.org/wiki/Big_Bang

52. القرآن؛ سورۃ الانبیاء:۲۱، آیت:۳۰

53. محمد طاہر القادری، ڈاکٹر، تخلیق کائنات، منہاج پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰، ص۱۱۳

54. ایضاً 55. القرآن؛ سورۃ حم السجدہ:۴۱، آیت:۱۱

56. القرآن؛ سورۃ القمر:۵۴، آیت:۴۹، ۵۰

57. القرآن؛ سورۃ النمل:۲۷، آیت:۳۸

58. ایضاً، آیت:۳۹ 59. ایضاً، آیت:۴۰

60. شوقی ابوخلیل، ڈاکٹر، ترجمہ: محمد امین، حافظ، اطلس القرآن، دارلسلام، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۲۴ھ، ص۱۷۱

61. http://www.distancefromto.net/distance-from/Yemen/to/palestine

62. فضل کریم، ڈاکٹر، پروفیسر، قرآن اور جدید سائنس، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۸، ص۱۹۵، ۱۹۶

63. www.srh.noaa.gov

64. حشمت جاہ، ڈاکٹر، قرآن اور جدید سائنس، سٹی بک پوئنٹ، کراچی، ۲۰۰۹، ص۸۶

65. http://electronics.howstuffworks.com/gadgets/high-tech-gadgets/holographic-environment.htm

66. http://www.webopedia.com/TERM/T/tele-immersion.html

67. حشمت جاہ، ڈاکٹر، قرآن اور جدید سائنس، سٹی بک پوئنٹ، کراچی، ۲۰۰۹، ص۸۷

68. القرآن؛ سورۃ یونس:۱۰، آیت:۹۲

69. فضل کریم، ڈاکٹر، پروفیسر، قرآن کے جدید سائنسی انکشافات، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۹، ص۲۵۸

70. Yusuf Al-Hajj Ahmad, Translation: Nasiruddin al-Khattab, The Unchallengeable Miracles of The Qur'an, Darussalam, Lahore, 2010, p.99

71. برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، دوقرآن، اسد پبلی کیشنز، لاہور، س ن، ص ۲۷۹
72. http://en.wikipedia.org/wiki/Galaxy
73. ایضاً
74. موریس بوکائیے، ترجمہ: ثناء الحق صدیقی، بائبل، قرآن اور سائنس، المیزان ناشران کتب، لاہور، ۲۰۱۰، ص ۱۷۲
75. القرآن؛ سورۃ الذاریات: ۵۱، آیت: ۷
76. مخدوم زادہ، ابومحمد، قرآن کریم کے سائنسی انکشافات، مشتاق بک کارنر، لاہور، س ن، ص ۸۳
77. القرآن؛ سورۃ حم السجدہ: ۴۱، آیت: ۵۳
78. القرآن؛ سورۃ الغاشیہ: ۸۸، آیت: ۱۷
79. برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، دوقرآن، اسد پبلی کیشنز، لاہور، س ن، ص ۱۳۲
80. القرآن؛ سورۃ البقرۃ: ۲، آیت: ۲۵۹ 81. حوالہ سابق، ص ۳۲

فہرست مصادر و مراجع

تفاسیر (اردو)

1۔ انوار البیان، محمد عاشق الٰہی، مفتی، مکتبہ حقانیہ، ملتان، س ن
2۔ تفسیر القرآن الھدٰی والفرقان، سرسید احمد خان، ڈاکٹر، رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور، ۱۳۱۵ھ،
3۔ تفسیر ابن کثیر، حافظ عماد الدین، ابوالفداء، ترجمہ: محمد جونا گڑھی، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۳
4۔ تفسیر عروۃ الوثقیٰ، عبدالکریم اثری، مکتبہ الاثریہ، گجرات، ۱۹۹۵
5۔ تفسیر مظہری، محمد ثناء اللہ عثمانی، قاضی، دارالشاعت کراچی، ۱۹۹۹
6۔ تفسیر نعیمی، احمد یار خان، مفتی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، س ن
7۔ تیسیر القرآن، عبدالرحمٰن کیلانی، مولانا، مکتبہ السلام، لاہور، ۱۴۲۶ھ

کتب فقہ

1۔ الاتقان، السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمٰن بن کمال، ترجمہ مولانا محمد حلیم انصاری، میر محمد کتب خانہ، کراچی، س ن
2۔ الفوز الکبیر، شاہ ولی اللہ دہلوی، ترجمہ محمد مہدی الحسنی، سید، قرآن محل، کراچی، س ن

دیگر کتب

1۔ اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات، آئی اے ابراہیم، محسن فارانی، دارالسلام، لاہور، ۲۰۰۶

2۔ اطلس القرآن، شوقی ابوالخلیل، دکتور، ترجمہ: محمد امین، حافظ، دارالسلام، لاہور۲۰۰۳

3۔ بائبل قرآن اور سائنس، موریس بوکایئے، ترجمہ: ثناء الحق صدیقی، المیزان، لاہور، ۲۰۱۰

4۔ تخلیق کائنات، محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰

5۔تذکرہ، المشرقی، عنایت اللہ خان، الحاج محمد سرفراز خان، متولی ومنتظم علامہ ٹرسٹ، ج ا، س ن

6۔ حقیقت قرآن، ذاکر نائیک، ڈاکٹر، ترجمہ: زاہد کلیم، رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشن، راولپنڈی، ۲۰۰۷

7۔ دوقرآن، برق، غلام جیلانی، اسد پبلی کیشنز، لاہور، س ن

8۔ قرآن اور تخلیق کائنات، مخدوم زادہ، ابومحمد، مشتاق بک کارنر، لاہور، س ن

9۔ قرآن اور جدید سائنس، حشمت جاہ، ڈاکٹر، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۰۹

10۔ قرآن اور جدید سائنس، فضل کریم، ڈاکٹر، فیروزسنز لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۸

11۔ قرآن کے جدید سائنسی انکشافات، فضل کریم، ڈاکٹر، فیروزسنز لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۹

12۔ قرآن کے سائنسی انکشافات، مخدوم زادہ، ابومحمد، مشتاق بک کارنر، لاہور، س ن

13۔ کائنات اور اس کا انجام، فضل کریم، ڈاکٹر، فیروزسنز لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۷

انگریزی کتب

1. The Unchallengeable Miracles of The Qur'an,Yusuf Al-Hajj Ahmad, Translation: Nasiruddin al-Khattab, Darussalam, Lahore, 2010

انٹرنیٹ

1. www.islamicmedicine.org
2. http://en.wikipedia.org
3. www.distancefromto.net
4. www.srh.noaa.gov
5. http://electronics.howstuffworks.com
6. http://www.webopedia.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 34, Sr.No.93, 2013 pp 45 - 56

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد۳۴، اکتوبر۔دسمبر۲۰۱۳ء، شمارہ۹۳

ترقی پسند تنقید کے دو اہم معمار

عنبرین انصاری☆

Abstract:

It is evident that the Progressive Movement in the Sub-continent started in the objective conditions prevailing at that time. In the beginning some men of letters attributed Progressive Criticism to Marxism.But as Dr. Qamar Raees has clarified it was not a mechanical approach towards criticism. The main emphasis is on social context of literature. In this perspective. Two Progressive critics, Syed Sibte Hasan and Zoe Ansari, can be termed as the important founders of Progressive Criticism. Both of them give equal importance to social context of literature as well as the classical and cultural heritage of the society.

اردو میں ترقی پسند تحریک اپنے عہد کے معروضی حالات میں پیدا ہوئی اور اس پر عالمی سیاست اور سماجی تغیرات کے ساتھ ساتھ غالب، سرسید، حالی اور اقبال کے تنقیدی افکار کے بھی اثرات مرتب ہوئے۔اس میں شک نہیں کہ ''ترقی پسند تنقید'' کی اصطلاح اب کسی مزید وضاحت کی متقاضی نہیں لیکن ڈاکٹر قمر رئیس نے جو ایک زاویۂ نظر اس ضمن میں پیش کیا ہے اس کا جائزہ لینا ضروری محسوس ہوتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> اردو میں مارکسی تنقید، ترقی پسند تنقید اور سماجیاتی تنقید تین اصطلاحیں رائج رہی ہیں اور اکثر تینوں ہم معنی سمجھی جاتی ہیں....ترقی پسند ادب کی رعایت سے ''ترقی پسند تنقید'' اردو کی اپنی ایجاد ہے اور اسے بین الاقوامی اصطلاح کی سند حاصل نہیں۔[۱]

☆ مدیر، مجلّہ اسالیب، کراچی

اس اہم نکتے کی وضاحت میں قمر رئیس ''مارکسی تنقید'' اور ''ترقی پسند تنقید'' کے الگ الگ مفاہیم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ مارکسی تنقید اصولوں یا عقائد کا کوئی ایسا مجموعہ یا ایسا نظریہ ہرگز نہیں ہے جس کا اطلاق میکانکی ڈھنگ سے ہر فنِ تخلیق یا ہر دور کے ادب پر ہو سکے۔ اس کے برعکس یہ ایک ایسا متحرک اور لچک دار طریقِ کار (method) ہے جو کسی بھی زبان اور کسی بھی عہد کے مطالعے کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔[۲]

ڈاکٹر قمر رئیس مزید لکھتے ہیں کہ:

> ''مارکسی تنقید'' ادب کو محض سماجی دستاویز کی حیثیت سے نہیں جانچتی۔ مارکس اور اینگلز دونوں نے حقیقت کے ادراک اور اس کے تخلیقی اظہار میں فن کار کی تہہ دار شخصیت اور اس کی دوسری صلاحیتوں کی کارفرمائی کا اعتراف کیا ہے۔ فن کارانہ یا تخلیقی عمل کو وہ ایک وحدت تصور کرتے ہیں اور اسے تخیل یا جذبہ وغیرہ کے خانوں میں تقسیم نہیں کرتے۔[۳]

اس تمام بحث کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ترقی پسند تنقید کی بنیاد مارکسی افکار و خیالات پر رکھی گئی ہے جس میں معروضی اور سائنسی زاویوں سے سماج اور ادب کے رشتوں کو واضح کیا جاتا رہا ہے اور اس سے سماجی انصاف اور انسان دوستی کی اقدار کو فروغ ملتا ہے۔

جیسا کہ ترقی پسند ادب کے جائزے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدا میں چند مارکسی نقادوں، مثلاً اختر حسین رائے پوری، ڈاکٹر عبدالعلیم اور مجنوں گورکھ پوری کے علاوہ متعدد ناقدین نے ''نیا ادب''، ''افادی ادب'' اور ''مصنوعی ادب'' جیسی اصطلاحوں سے کام لیا۔ مرزا یگانہ نے تو اسے ''ادبِ خبیث'' تک لکھ دیا۔ چناں چہ یہ امر فطری تھا کہ ترقی پسند تحریک کی بنیاد رکھنے والے اپنے ادب اور اس کے رموز و علائم کی وضاحت کرتے۔ ان وضاحتی تحریروں میں اچھی خاصی معرکہ آرائیاں بھی

ہوئیں، شدت پسندی کے رخ بھی سامنے آئے لیکن چوں کہ ترقی پسند تحریک معروضیت اور تاریخ کے جدلیاتی عمل پر یقین رکھتی ہے، اس لیے ترقی پسند تنقید کسی جگہ ٹھہر کر منجمد نہیں ہوگئی بلکہ زمانے کے تغیر اور معروضی حالات کے تحت تخلیق، تنقید اور ادب کے دیگر مظاہر کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق پرکھتی چلی گئی۔ لہٰذا ترقی پسند تحریک ایک خطِ مستقیم کے بجائے ایک ایسا پہاڑی سلسلہ نظر آتا ہے جس میں اونچی چوٹیاں بھی ہیں اور نیچی گھاٹیاں بھی۔

بلا شبہ ترقی پسند تنقید کے سب معماروں کا اس تحریک کی ساخت پرداخت اور ترسیل و ابلاغ میں اپنا اپنا حصہ ہے اور اپنی اپنی جگہ اُن کے کردار کی بجا طور سے ایک اہمیت ہے۔ تاہم ان معماروں کے مطالعے اور ان کے کام کی قدر و قیمت کے تجزیے میں دو نقاد عموماً تفصیلاً تذکرے میں نہیں آتے۔ وہ دو نقاد ہیں ظ۔ انصاری اور سبطِ حسن۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ظ۔ انصاری کے متعلق معلومات اور تصانیف تک رسائی خاصی دشوار ہے جب کہ سبطِ حسن کو عموماً تنظیمی کارکن اور صحافی کے طور پر جانچا جاتا ہے جب کہ ان کی ناقدانہ بصیرت بھی ترقی پسند تنقید میں اپنی ایک اہمیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف ظ۔ انصاری جو متنازعہ نقاد کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں وہ ترقی پسند تنقید کے ذہنی ارتقا اور شعور کی پختگی کی سب سے نمایاں مثال ہیں۔ لہٰذا ان دو ترقی پسند تنقید کے معماروں کا تفصیلی جائزہ اپنا ایک جواز رکھتا ہے۔

سبطِ حسن

ترقی پسند مصنّفین جنہوں نے علمی اور عملی سطح پر اپنی نوجوانی سے لے کر آخر دم تک ترقی پسند تحریک سے گہری وابستگی رکھی، ان میں سیّد سبطِ حسن کا نام بہت نمایاں ہے۔ سیّد سبطِ حسن اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے لیکن ان کی زندگی کا بیشتر حصّہ لکھنؤ میں گزرا۔ وہ جب علی گڑھ یونی ورسٹی سے تعلیم کی غرض سے وابستہ ہوئے تو اس وقت ان کے احباب اور معاصرین میں اختر حسین رائے پوری، خواجہ احمد عباس، اختر الایمان، اسرار الحق مجاز اور علی سردار جعفری جیسے اہلِ قلم شامل تھے۔ اُس زمانے میں ترقی پسند مصنفین کی جانب سے جو ادبی جریدہ ''نیا ادب'' کے نام سے جاری ہوا اس کا مدیر و مرتّب سبطِ حسن ہی کو بنایا گیا تھا۔

سیّد سبطِ حسن نے لکھنؤ کے بعد حیدر آباد دکن میں خاصا وقت گزارا۔ وہاں مخدوم محی الدین، قاضی عبد الغفّار، راج بہادر گوڑ، مسلم ضیائی، ابراہیم جلیس جیسے روشن خیال اور ترقی پسند ادیبوں کے ہمراہ انقلابی ادب کی بنیاد رکھی۔

سیّد سبطِ حسن نے اس کے بعد بمبئی، لاہور اور آخر میں کراچی میں زندگی کے شب و روز بسر کیے۔

سیّد سبطِ حسن افسانے یا شعر و تمثیل کے آدمی نہیں تھے، لیکن دورِ جدید میں روشن خیالی اور خرد افروزی کو تاریخی تناظر میں جس طرح سبطِ حسن نے دیکھا اور پیش کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی مستقل تصانیف میں ''شہرِ نگاراں''، ''ماضی کے مزار''، ''موسیٰ سے مارکس تک''، ''پاکستان میں تہذیب کا ارتقا''، ''انقلابِ ایران''، ''مارکس اور مشرق''، ''نویدِ فکر'' اور ''پاکستان کے تہذیبی اور سیاسی مسائل'' شامل ہیں۔

سیّد سبطِ حسن ادبی صحافت سے گہری دل چسپی رکھتے تھے۔ ''نیا ادب'' کے بعد انھوں نے ہفت روزہ ''لیل و نہار'' کی ادارت سنبھالی اور بعد میں خود اپنا ایک رسالہ ''پاکستانی ادب'' کے نام سے جاری کیا۔ سبطِ حسن نے عام نقادوں کی طرح اصنافِ ادب ہی کو اپنا موضوع نہیں بنایا، بلکہ تاریخ، تہذیب، فلسفہ اور علمِ بشریات کے تناظر میں خالص علمی اور فکری تصانیف پیش کیں جو اوّل تا آخر مارکسی نقطۂ نظر سے متصف ہیں۔ ان کتابوں میں بھی جگہ جگہ ادبی حوالے آئے ہیں مثلاً ''ماضی کے مزار'' میں دُنیا کی پہلی داستان ''گل گامش'' کا مکمل ترجمہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح ''انقلابِ ایران'' جیسی کتاب میں ایران کے انقلابی شعرا کا کلام بھی پیش کیا ہے۔ قدیم مصوری اور آثارِ قدیمہ کے ذریعے انھوں نے انسانی شعور اور انسانی تہذیب کے ارتقا کو بہت شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا۔

ادب میں ترقی پسند نظریات پر سبطِ حسن نے باقاعدہ نظری مباحث کے مضامین تو تحریر نہیں کیے ہیں، لیکن ان کے علمی و ادبی مضامین میں ترقی پسندی اور اس کی وضاحت کی لہر چلتی رہتی ہے۔ جیسے وہ لکھتے ہیں:

> ترقی کا جو قانون معاشرتی زندگی پر لاگو ہوتا ہے ادب اور دوسرے فنونِ لطیفہ بھی اسی قانون کے تابع ہوتے ہیں۔ ترقی پسندی کا جو خون معاشرتی زندگی کی جان ہے وہی ادب کی رگوں میں بھی دوڑتا رہتا ہے۔[۴]

اس طرح سبطِ حسن ادب اور معاشرے کا تعلق ترقی پسندی سے قائم کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی طے کرتے ہیں کہ ادب میں جن خیالات کو فروغ دیا جائے گا وہی معاشرے میں رواج پائیں گے اور جو خیالات معاشرے میں پیدا ہوں گے ادب انھیں کی ترجمانی کرے گا۔

ترقی پسند نقادوں میں ہر نقاد نے اپنے طور پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ترقی پسندی کیا ہے اور یہ کہ نئے ادب کی تخلیق پر اصرار سے مراد اپنے کلاسیکی ادب سے بیزاری ہرگز نہیں ہے اور اس بار بار کی وضاحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ باقاعدہ کسی انجمن اور منشور کے تحت ادب پیدا کرنے کی شعوری اور اجتماعی کوشش کا تجربہ اردو میں بالکل اپنی نوعیت کا ایک نیا اور پہلا تجربہ تھا، لہٰذا اس کے بارے میں پھیلی اور پھیلائی گئی غلط فہمیوں اور سوالات کا جواب دینا لازمی تھا۔ سبطِ حسن نے بھی اس ضمن میں وضاحت یوں کی ہے:

> وہ کون ترقی پسند ادیب ہوگا جو یہ احمقانہ دعویٰ کرے کہ کارل مارکس سے پیشتر کا سارا ادب غیر ترقی پسندانہ ہے۔ کیوں کہ ہر زمانے اور ہر زبان میں ترقی پسند اور غیر ترقی پسند دونوں قسم کا ادب تخلیق ہوتا رہا ہے۔ کس میں اتنی جرأت ہے جو یہ کہے کہ ہومر، ورجل، دانتے، فردوسی، سعدی، شیکسپیئر، بیدل، غالب اور نظیر اکبرآبادی وغیرہ غیر ترقی پسند تھے، اس لیے کہ انھوں نے سوشلزم کی مدح سرائی نہیں کی، یا کمیونسٹ مینی فیسٹو کو نظم نہیں کیا۔[۵]

دراصل سبطِ حسن کا یہ مضمون ''ن م راشد اور ترقی پسندی'' کے زیرِ عنوان ہے اور چوں کہ ن م راشد کو ترقی پسند ادیبوں پر اعتراضات تھے، جن کا اظہار انھوں نے اس وقت ''افکار'' کے ندیم نمبر میں ایک خط کے ذریعے کیا تھا لہٰذا سبطِ حسن نے اس مضمون کے ذریعے تمام ترقی پسند مخالفین و معترضین پر اپنے مؤقف کی وضاحت کی ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے راشد کے اس اعتراض کا بھی جواب دیا ہے کہ ''کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ادیب کو کسی خاص قسم کا ادب تخلیق کرنے کا حکم یا ہدایت دے۔''[۶]

سبطِ حسن اس ضمن میں جواب دیتے ہیں:

شخصی آزادی ہر بشر کا، خواہ وہ ادیب ہو یا غیر ادیب، پیدائشی حق ہے اس لیے کہ انسان کی تخلیقی صلاحیتوں اور طبعی میلانات کو مکمل آزادی کی فضا ہی میں فروغ مل سکتا ہے ... ہمارا موقف بھی یہی ہے کہ ہر فن کار کو اپنے ''رویا'' کی بات ماننی چاہیے .... اظہارِ ذات اور تحصیلِ ذات پوری بنی نوعِ انسان کا مشترکہ حق بھی ہے اور مسئلہ بھی۔ ۷

سبطِ حسن جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں ان کا ترقی پسندانہ زاویۂ نظر اور نقطۂ نظر واضح طور پر سامنے آجاتا ہے اور وہ فن پارے اور فن کار کو انھیں اصولوں کے تحت پرکھتے ہیں جو ترقی پسند تنقید میں رائج ہیں، مثلاً:

شاعری خواہ المیہ ہو یا طربیہ یا عشقیہ، اس کا منصب ہم کو جگانا ہے نہ کہ سلانا۔ ہمارے حسّی تجربوں میں اضافہ کرنا ہے ہمارے ادراک و آگہی کی سطح کو بلند کرنا ہے۔ ہم کو زندگی کی ہر تلخ و شیریں حقیقتوں سے لذت آشنا کرنا ہے۔ ہمارے اداروں اور حوصلوں میں سوزِ یقیں کی تڑپ اور حالات کو بدلنے کا شعور پیدا کرنا ہے۔ ۸

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ سبطِ حسن ادب کی مقصدیت اور افادیت کو دیگر ترقی پسندوں کی طرح بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔

اسی طرح صادقین کی پینٹنگز پر تبصرہ کرتے ہوئے انھیں ایک ترقی پسند رُخ سے دیکھتے ہیں اور ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

یہ تصویر ان لوگوں کو دعوتِ فکر دے رہی ہے، جن کا خیال ہے کہ روشن مستقبل کی راہیں دار و رسن کے بغیر ہنستے کھیلتے طے کی جاسکتی ہیں حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اس راہ میں قدم قدم پر بڑے سخت مقام آتے ہیں۔ تخریب کی طاقتیں ہر موڑ پہ گھات میں رہتی ہیں، ہر گام پر آرام و آسائش اور ذاتی خواہشوں اور آرزوؤں کا خون ہوتا ہے، تب بڑی جاں فشانیوں اور قربانیوں کے بعد منزلِ مراد کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ ۹

سبطِ حسن نے ترقی پسندی اور ترقی پسند ادب کی وضاحت ہمیشہ سہل اور دوٹوک انداز میں کی ہے۔ وہ ترقی پسند ادب کی بابت یہ رائے رکھتے ہیں:

> ترقی پسند ادب کا نظامِ فکر و احساس، حسن و صداقت کی قدروں پر قائم ہے۔ درد مندی اور انسان دوستی کا شدید جذبہ، معاشرتی مسائل سے گہری دل چسپی، یہ خیال کہ ظلم اور ناانصافی کے خلاف جہاد ادیبوں کا فرضِ منصبی ہے اور یہ تصور کہ غمِ ذات اور غمِ زمانہ ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں، ترقی پسند ادب کی امتیازی خصوصیتیں ہیں۔ ترقی پسند ادیب ماضی شناس ہوتا ہے۔ ماضی کے صحت مند ادبی ورثے کو عزیز رکھتا ہے مگر ماضی پرست نہیں ہوتا نہ وہ فرسودہ روایتوں اور سماجی رویّوں پر تنقید کرنے سے گریز کرتا ہے۔[۱۰]

سبطِ حسن کے مضامین سے، خصوصاً اقبال کے حوالے سے ان کی آرا میں نمایاں تبدیلی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی ذہنی ارتقا کے اس مرحلے سے گزرے جہاں جذباتیت سے نکل کر ادیب اور نقاد غور و فکر سے نتائج اخذ کرنے کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ طے ہے کہ ان دونوں مراحل میں سبطِ حسن خالص ترقی پسندانہ فکر کے نمائندے رہے اور اس کا سبب ان کا یہ احساس ہے:

> ہر دور کی اپنی سچائیاں اور برائیاں ہوتی ہیں جو فن کار کے جذبات و احساسات کے تاروں کو چھیڑتی رہتی ہیں اور مبارک ہیں وہ فن کار جو ان سچائیوں کو اپناتے ہیں اور برائیوں کی زرتار نقابوں کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔[۱۱]

سیّد سبطِ حسن نے اپنے ادبی مضامین میں زبانوں کے مسئلے، ترقی پسند اور جدیدیت، تانیثیت کی تحریک، اقبال اور روشن خیالی جیسے موضوعات کے علاوہ بچوں کے ادب، برعظیم میں روشن خیالی اور رواداری کی متصوفانہ روایت، سیکولرازم اور سوشلزم پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔ لہٰذا ہم سبطِ حسن کو خرد افروز، روشن خیال ادیب، صحافی کے طور پر ترقی پسند نقادوں میں اہم جگہ دیں گے جن کے افکار و خیالات عالمی تہذیب و تمدن، سماج اور موجودہ دور کے علمی و سائنسی حقائق سے مربوط ہیں۔

ظ۔ انصاری

ظ۔ انصاری کا پورا نام سیّد ظلِّ حسنین نقوی تھا۔ وہ ۴۔ فروری ۱۹۲۵ء کو سہارن پور میں پیدا

ہوئے۔انھیں ادبی دُنیا ایک مترجم، مدّرس، محقق، زبان داں، صحافی، اردو کے صاحبِ اسلوب نثر نگار اور روسی زبان و ادب کے معلّم کی حیثیت سے جانتی ہے۔ظ۔انصاری کی تعلیم و تربیت کلاسیکی اور جدید علوم کی تحصیل سے تعلق رکھتی ہے۔بمبئی کے قیام کے دوران وہ سوشلسٹ نظریات اور تحریک سے ہم رشتہ ہوئے۔انھوں نے امیر خسرو، غالبؔ اور اقبالؔ پر سیر حاصل کام کیا ہے۔ان کا قیام خاصے طویل عرصے تک روس میں رہا جس سے ان کی ترقی پسندانہ آگہی میں اضافہ ہوا۔ان کی چند اہم تصانیف کے نام یہ ہیں:

''برنارڈ شا''، ''غالب شناسی''، ''چیخوف''، ''پوشکن''، ''خسرو کا ذہنی سفر''، ''اقبال کی تلاش''، ''کتاب شناسی''، ''کانٹوں کی زبان'' اور ''زبان و بیان''۔

انھوں نے اردو اور روسی زبانوں کے لیے لغت نگاری کا بھی کام کیا۔''کانٹوں کی زباں'' ان کے اداریوں اور تبصروں کا مجموعہ ہے۔ان کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ادب کے ساتھ ساتھ عالمی سیاست پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ظ۔انصاری نے غالب اور اقبال کا بہت گہرائی میں مطالعہ کیا اور بعض ایسے زاویے اجاگر کیے جو ان سے پہلے ناقدین کی نظروں سے اوجھل رہے، مثلاً غالب کی مثنوی ''ابرِ گوہر بار'' پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے انھوں نے اقبال پر غالب کے اثرات کو ایک نئے تناظر میں پیش کیا ہے۔ظ۔انصاری اگرچہ غالب کے ''طرفدار'' نظر آتے ہیں لیکن غالب نے غدر کے جو حالات تحریر کیے ہیں ان کا تجزیہ ظ۔انصاری نے معروضی انداز میں کیا ہے جس سے غالب شناسی کی تازہ ہوا آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

اسی طرح ظ۔انصاری نے ''غالب شناسی۔۲'' میں جہاں عمدگی سے غالب کا اردو فارسی کلام منتخب کیا ہے وہیں اس کے آغاز میں ''غالب شناسی کے زینے'' کے زیرِ عنوان غالب کے شعر و فن کا تفصیلی جائزہ بھی پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ غالب تفکر کے قائل ہیں علومِ معقولات (Natural Sciences) کی تحصیل پر اصرار کرتے ہیں، ہر منظر کا بغور مشاہدہ کرنے اور اس کی تہہ میں اترنے کو ذہنی آدمی (Intellectual) کا فریضہ قرار دیتے ہیں لیکن ان کا نقطۂ نظر عملی ہے۔یہ عملی نقطۂ نظر غالب کی نظم و نثر میں جو غیر معمولی خصوصیات ابھارتا ہے انھیں ظ۔انصاری نے تفصیل سے بیان کیا ہے، جو کچھ یوں ہیں:

۱۔ وہ انتہائی غم اور زبردست نشاط کے لمحوں میں بھی ہوش مندی سے ہاتھ نہیں دھوتا، ہر موقع پر لیے دیے رہتا ہے۔

۲۔ دُنیا کے کئی عظیم شاعروں کی طرح غالب کی شاعری بھی ایک تاریخی دور کا موڑ دکھاتی ہے۔

۳۔ فارسی اردو شاعری کے ایک ہزار سالہ ادبی ورثے میں غالب سے بڑھ کر کسی نے ''عقلیت'' پر اتنا زور نہیں دیا۔

۴۔ غالب نے اپنے زمانے میں رائج تصوف کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ تصوف کے مختلف نظریات، اصطلاحات اور مسائل پر غالب کی بہت گہری نظر تھی۔

۵۔ تصوف کی جس روح کو شاعر نے اپنایا، وہ مخلوق کو خالق کا پرتو مان کر بھی فرد کی قدر و قیمت سے آگاہ ہے۔

۶۔ غالب اپنے اردگرد کی دُنیا کو ہی نہیں، خود اپنے عمل کو بھی تنقید کی کسوٹی پر رکھتا ہے۔

۷۔ غالب نے انفرادیت، تشکیک اور فرد کی تنہائی کو جو ادبی لہجہ عطا کیا اس کے سبب اُسے عہدِ حاضر کا شاعر کہا جا رہا ہے۔ غالب کی شاعری انسان کو اس کے پھیلاؤ یا حدِ نظر میں افق تا افق ہی نہیں دیکھتی بلکہ اس کی گہرائی میں بھی اترتی ہے۔ تینوں فاصلوں (Three Dimensions) میں آدمی کے وجود اور مسائل کی تلاش جو بڑی شاعری کا وصف ہے، غالب کے ہاں بہت نمایاں ہے۔

اس خصوصیت میں ظ۔ انصاری غالب کو خیام اور حافظ سے آگے مانتے ہیں۔

۸۔ غالب کے کلام کا بڑا حصّہ ایسا ہے جس میں ''اُداسی'' یا ''درد'' کو اتنا ہی پایا جا سکتا ہے جتنا مسرت اور شگفتگی کو۔

۹۔ غالب کے کلام میں ''صوتی آہنگ''، لفظی حسن اور آوازوں کا ایسا نگار خانہ سجا ہوا ہے جس کی طرف حال میں توجہ کی گئی ہے۔

۱۰۔ لفظوں کی تراش اور مصرعوں کی مجموعی آواز میں بھی غالب ایک اعلیٰ درجے کا فن کار نظر آتا ہے۔[۱۲]

غالب شناسی میں ظ۔ انصاری کا یہ تجزیاتی مقالہ یقیناً خاص اہمیت کا حامل ہے اور اس تمام بحث کے بعد وہ غالب کی مقبولیت کا راز یوں بیان کرتے ہیں:

غالب کی مقبولیت کا راز اس کی فنّی بصیرت میں ہے اور فنی بصیرت کے اسرار

قدیم وجدید کی آویزش وآمیزش میں تہہ درتہہ چلے گئے ہیں۔غالب نے ''کیا معنی آفرینی اور کیا لفظ تراشی'' دونوں سمتوں فارسی اردو کی ادبی وراثت پر ردو قبول کا بے رحم عمل کیا ہے اور ردوقبول کے اس بے رحمانہ عمل نے ہی اس کی شاعری کوتوانائی اور تازگی بخشی ہے۔[۱۳]

ظ۔انصاری کا غالب پر ایسا تجزیہ پڑھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ وہی ظ۔انصاری ہیں جنھوں نے غزل کے خلاف ''غزل باقی رہے گی'' جیسا متنازعہ مضمون تحریر کیا تھا جو''ادبِ لطیف'' لاہور میں شایع ہوا تھا۔اس مضمون میں ظ۔انصاری نے غزل کو جاگیرداری کی باقیات قرار دیتے ہوئے رد کردیا تھا اور حافظ کو رجعت پسند قرار دیا تھا اور اسی مضمون کے ردِعمل میں سجاد ظہیر کی ''ذکرِ حافظ'' جیسی کتاب اور ممتاز حسین کا'' کچھ ماضی کے ادبِ عالیہ سے متعلق'' جیسا مقالہ اردو کے قابلِ قدر ادبی سرمائے کا حصہ بنے۔اس تبدیلی سے ظ۔انصاری کا ذہنی ارتقا اور اُن کے ناقدانہ شعور کی پختگی سامنے آتی ہے۔

ظ۔انصاری نے اقبال کو بھی اپنی تنقید میں خاص اہمیت دی ہے اور اقبال کے متعلق بعض ترقی پسندوں کے ناروا سلوک اور اقبال کی عظمت کو یوں اجاگر کیا ہے:

خاص کمیونسٹ حلقوں میں اقبال پر کتنی ہی نکتہ چینی ہوتی رہی مگر ترقی پسند شاعری اور شاعروں کو اس کے سوا چارۂ کار نہ تھا کہ وہ اقبال سے فیض اٹھائیں۔ان کے مردانہ اور پرسوز ترنم سے سیاسی مسائل کے بے باکانہ بیان میں رجز کی شان سے، رزمیہ فضا کے آکسیجن سے اپنا چراغ جلائیں اور ٹھیک اسی طرح ادھوری تاویلیں کر کے اپنی طرف کھینچیں۔جیسے خود اقبال نے ''بالشویزیم'' کو اپنی طرف کھینچا تھا۔اقبال کے قبولِ عام میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ ترقی پسند شاعری کا اچھا، برا قابلِ ذکر حصہ اس ''زندہ رود'' سے اپنی پیاس بجھاتا رہا ہے۔[۱۴]

عام طور پر ترقی پسند نقادوں نے تحقیق کا وہ راستہ اختیار نہیں کیا جو مثلاً قاضی عبدالودود، امتیاز علی خاں عرشی، مالک رام وغیرہ کے یہاں نظر آتا ہے اور زیادہ تر تنقید کو اصولی، نظریاتی اور سماجی تناظر تک محدود رکھا۔البتہ پروفیسر ممتاز حسین اور ظ۔انصاری دو ایسے ترقی پسند نقاد ہیں جنھوں نے خصوصیت کے ساتھ امیر خسرو پر دیدہ ریزی سے تحقیق کی اور متعدد ایسی روایات کی صحت کی جانچ پڑتال کی جو امیر خسرو کے باب میں رواج پا چکی تھیں۔پھر چوں کہ ظ۔انصاری کو فارسی زبان پر بھی

عبور تھا اس لیے انھوں نے خسرو کی بعض ادق اور مشکل تصانیف کا بھی مطالعہ کیا۔

ہندوستان کی مختلف زبانوں کے ساتھ ساتھ انگریزی، فارسی، عربی نیز انگریزی اور روسی زبانوں سے واقفیت کی بنا پر ظ۔ انصاری نے امیر خسرو کی تحریروں کا لسانی جائزہ بھی مختلف انداز میں لیا ہے۔ اس طرح وہ الفاظ جو برج، کھڑی بولی، ملتانی اور پنجابی سے تعلق رکھتے ہیں ان کا مطالعہ بھی اپنی تحریروں میں شامل کیا ہے۔ لہٰذا نہ صرف سات سو سال پہلے کے امیر خسرو کے اسالیب پر روشنی پڑتی ہے بلکہ اردو کی ارتقائی تاریخ بھی تحقیق کی روشنی میں زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ سطورِ بالا میں کہا جا چکا ہے کہ ظ۔ انصاری صاحبِ اسلوب نثر نگار ہیں تو اس اسلوب کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

> امیر خسرو ۷۲ برس جیے، عمر بھر حرکت میں رہے۔ ہندوستان کے چاروں کھونٹ گھومے پھرے، زمینوں اور زبانوں کی سیر کی، ان کے ضمیر میں اترے۔ سامنے کے منظر کی چادر سرکا کر اپنے زمانے کی تہہ و بالا حقیقتوں کو چھو کر، برت کر دیکھا، اپنی نظم و نثر میں ہمیں دکھایا۔ جو دکھایا وہ آج سات صدی پار بھی پرانا یا از کار رفتہ نہیں ہوا۔ اسی سے ہمارا رشتہ کہیں اتنا دھندلا ہے اور کہیں کھلا کھلا جتنا اپنے آباؤ اجداد سے، اُن کے آباؤ اجداد سے، گنگا اور ہمالیہ سے۔ ماہ و سال نے تقویم پلٹی، کیلنڈر بدلے، معاملات اور واقعات کی سطح بدلی، اصطلاحیں بدلیں، استعارے بدلے، ادارے بدلے۔۔ لیکن ارادے نہیں بدلے گئے۔ ارادوں کو یکسر بدل ڈالنے کا سلسلۂ عمل جیسے تیسے، چل تو رہا ہے تاہم تہذیبِ حاضر کے بس میں نہیں اس کی تکمیل۔ تلاطم اور تصادم میں، نت نئی آگاہی کی رفتار کے ساتھ تیزی ہی آئی ہے، کمی نہیں آئی۔ ۱۵

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ترقی پسند تنقید کے معماروں کے سامنے ایک اہم ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ ترقی پسند نظریے، ادب، ادیب اور اصولِ نقد کی وضاحت کریں، ظ۔ انصاری نے اس ضمن میں ''مارکسی تعلیم کا سلسلہ''، ''مارکس، اینگلس کی نادر تحریریں''، ''سوویت یونین کی تاریخ'' جیسی کتابوں کا ترجمہ کر کے مارکسزم اور ترقی پسندی کی تفہیم کا ایک مختلف طریقہ اختیار کیا ہے۔

☆☆☆☆

حواشی/حوالہ جات

۱۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، ۱۹۹۴ء، ''مارکسی تنقید: رُجحان اور رویے'' مشمولہ ''ترقی پسند ادب پچاس سالہ سفر''، مرتبہ قمر رئیس، سید عاشور کاظمی، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ص۔۵۷۰۔

۲۔ ایضاً، ص۔۵۷۲

۳۔ ایضاً

۴۔ سبطِ حسن، ۲۰۱۲ء، ''ادب اور روشن خیالی''، مرتبہ: ڈاکٹر سید جعفر احمد، کراچی، مکتبۂ دانیال، ص۱۰۲

۵۔ ایضاً، ص۔۱۰۶

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً، ص۔۱۰۹

۸۔ ایضاً، ص۔۱۳۳

۹۔ ایضاً، ص۔۱۲۰

۱۰۔ سبطِ حسن، ۱۹۸۶ء، ''نقطۂ نظر''، عابد حسن منٹو، (تعارف)، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ص ن

۱۱۔ سبطِ حسن، ۲۰۱۲ء، ''ادب اور روشن خیالی''، مرتبہ: ڈاکٹر سیّد جعفر احمد کراچی: مکتبۂ دانیال ص۔۱۲۱

۱۲۔ ظ۔انصاری، ۱۹۷۰ء، ''غالب شناسی۔۲''، بمبئی: لیڈر پریس، ص ۷ تا ۳۰

۱۳۔ ایضاً، ص۔۳۰

۱۴۔ ظ۔انصاری، س ن، ''اقبال کی تلاش میں''، ص۔۱۷

۱۵۔ ظ۔انصاری، ۱۹۸۸ء، ''خسرو کا ذہنی سفر''، دہلی: انجمن ترقیِ اردو ہند، ص ن (دیباچہ)

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 34, Sr.No.93, 2013 pp 57 - 64

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد۳۴، اکتوبر۔دسمبر۲۰۱۳ء، شمارہ۹۳

علامہ اقبال اور کشمیری مسلمان

ڈاکٹر اصغر اقبال☆

Abstract:

The Doctor Muhammad Iqbal and Kashmiri Muslim is the hypothesis to be brought into light here. Iqbal is a poet; who is famous for his versatility, universal benevolence, universality, and multidimensional style and approach both in prose and poetry.

Iqbal has remained devotedly attached then onwards with every movement and with every Kashmiri Scholar. Iqbal has deducted and delivered a few poems, which are simply mentioned and great people gathered around the Kashmir freedom movement or otherwise have been mentioned in this proposition. Poems "Lolab Valley", "Saqi Nama", "Kashmir Valley" are the illuminous poems for voracious readers of Iqbal. The bird's eye view of these poems would create a unique task and temperament for Iqbal and Kashmir lovers. This précis of Iqbal and Kashmir would lead to the reader towards the complete work of Iqbal.

علامہ اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے آپکے والد بابا شیخ نور محمد ۱۷ اگست ۱۹۳۰ء میں وفات پا گئے۔ سہیل عمر کے حوالے سے ان کی پیدائش اور وطنیت کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ کشمیریات، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

"His ancestors were Bramins of whom Baba Lol Haj embraced Islam during the fifteenth century, probably a hundred years before Zahir-ud-Din Babar founded the Mughal Empire in India. Iqbal's grandfather Sheikh Muhammad Rafique migrated from Kashmir and settled in Kashmir. Allama Iqbal's forefathers had a predilection for mysticism and his father Noor Muhammad and his mother Imam Bibi, were known for piety. Iqbal started his education in a mosque, where he learnt Arabic and Persian. His thorough grounding in these languages was due to Sayyid Mir Hassan (Later Shams-ul-Ulema) one of Sir Sayyid Ahmed Khan's friends." ۱

ہمارا مقصد اس وقت ہے کہ اقبال کے بارے میں کچھ لکھا گیا ہے۔ دنیا کی لائبریریاں کلام اقبال سے بھری پڑی ہیں ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ آج تک تحقیق محتاج طلب ہے کہ ان کے آباء اگر وادی لولاب میں ہی پلے بڑے ہیں تو کس جگہ؟ یہ نہیں معلوم بس ایک نظم جو وادی لولاب سے متعلق لکھی گئی وہی از بر ہے۔ وادی لولاب بانڈی پورہ سے شروع ہوتا ہے کانٹھ پورہ، ایم چتر ناز، شالیمار پارک، سندر وانی بہت مشہور صحت افزا مقام ہیں۔ پرویز دیوان کہتا ہے کہ:

"Sopure town is in Northern Kashmir is locally called the port on the Wullur Lake. It is located on the Eastern land of the Wullur, between two of the steams, that feed it, the Erin and Bandipure Salar. Bakaya says it is on the lean as of the Mcdamatt stream and at the feet of the Targbal Mountains. Bandipur is the greatest town of Baramulla." ۲

اب وادی لولاب کا ذکر کیا کیا کریں وٹہ لب یا تریگام کے بہر حال بہت بڑا علاقہ ہے اور اقبال کی پیدائش کہاں ہوئی والد صاحب کس جگہ سے ہجرت کر گئے تھے اور لولی بابا کا کیا تاریخی پس منظر ہے یہ صرف ایک قصہ ہے۔ حقیقت سے اس کا تعلق نہیں۔ ہاں اقبال ایک بہت بڑے شاعر تھے۔ ورڈز ورتھ کی جدید شاعری سے متاثر ہو کر کوہ ہمالیہ جیسی نظمیں لکھیں اور میر حسن جیسے استاد کی تربیت نے فارسی ادب و زبان میں آپ بام اوج پر ہمدوش ثریا بن گئے۔ اقبال ایک جمالیاتی محرکاتی

شاعر ہیں چنانچہ ڈاکٹر جاوید قدوس لکھتے ہیں:

''جن مرحلوں سے گزر کر اقبال نے اپنی شاعری کی تخلیق کی ہے ایسا تب ہی ممکن ہے جب نقاد بھی فکر وفن، مکالمہ اور مشاہدہ تاریخی وعمرانی شعور ایمانی وایقانی پختگی وملی وقومی مد داور تڑپ کے اعتبار سے اقبال کی سطح کا ہی انسان ہو جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی صفات سے مصنف یا کوئی دوسرا شاعر یا دانشور آج تک پیدا نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ اقبال کی شخصیت اور کارناموں کو مجموعی طور پر سامنے رکھ کر وسیع تناظر میں اقبال کی منفرد جمالیات کی بازیافت کی جرأت کم ہی لوگوں نے کی ہے۔ حالانکہ اب تک اقبال کے فکر وفن حیات ونظریات، عہد اور تحریکات کے حوالے قابل قدر تصنیفات کا اچھا خاصا دختر جمع ہو گیا ہے۔ مثلاً فکر اقبال (خلیفہ عبدالحکیم) روح اقبال (یوسف حسن خاں) اقبال ایک نئ تشکیل (عزیز احمد) The Message & Iqbal (چیدانند سنہا) Gebraiels Wings (پروفیسر شل) اقبال یورپ میں (دُرانی) اقبال شناسی (ظ۔انصاری) اقبال عطیہ بیگم، زندہ رود (جاوید اقبال دانشور اقبال (آل احمد سرور) اقبال کا نظام فن (پروفیسر عبدالغنی) اقبال کا فن (پروفیسر گوپی چند نارنگ) اقبال ایک شاعر اور آئینہ اداک (پروفیسر حامد کشمیری) نظریات اقبال (قاضی عبدالرحمان ہاشمی) یہ کتابیں ہیں جن سے اقبال کے جمالیاتی گوشوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش ملتی۔'' [۳]

دیکھئے اقبالیات کی جمالیات میں روحانی کیفیات پیدا کرنیوالے سید علی ہمدانی کی عقیدت اور غنی کشمیری سے والہانہ محبت پوشیدہ ہے چنانچہ جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں۔ چنانچہ غنی اقبال سے کہہ دیتے ہیں:

ہیچ می دانی کہ روزے در ڈُلر   موجہ می لفت می یاموجے دگر
چندور قلزم بہ یک دیر رنیم   خیز تا یک دم بساحل سرزنیم
زادہ مالینی آن جوئے کہن   شور اوور وادی شکوہ و دمن
ہر زماں برسنگ رہ خود رازند   تابنائے کوہ راہ برمی کند

ترجمہ: ''کیا تو نہیں جانتا کہ ایک دن ڈُلر میں ایک موج دوسری موج سے کہہ رہی تھی اس سمندر میں ہم کب تک ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتی رہیں گی۔ ہماری اولاد یعنی وہ دریا کہیں جس کا وادی اور کوہ دمن میں شور برپا ہے۔ ہر لمحہ اپنے آپ کو رستے کے پتھروں سے ٹکرا رہا ہے تا کہ پہاڑی جڑ سے اکھاڑ دے'' [۴]

شاہ ہمدان کی نگاہ معنی شناس نے ایک مقامی مسئلے کو آفاقی پس منظر میں دیکھا اور اقبال کو زندگی اور موت روح اور بدن اور عمل اور بے عملی کی حقیقت سے آشنا کرنا ہی مناسب سمجھا۔

''مختصر الفاظ میں شاہ ہمدان نے اقبال پر یہ حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی کہ جسم کو بچانے اور روح کو گنوانے سے ہی انسان اور اس کے ساتھ ہی اقوام تباہی اور مذلت کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔'' ۵

اقبال نے تمام کشمیری معاملات میں از خود بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اقبال نے کشمیر میں لولاب وادی بھی نہیں دیکھی چنانچہ ان کے کشمیر کی سیاحت کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے بس درست صرف یہ ہے بقول کلیم اختر:

''جون ۱۹۲۱ء میں علامہ اقبال اپنے منشی طاہر الدین اور مولوی احمد الدین وکیل کے ہمراہ سرینگر گئے چند روز سری نگر میں ہی رہتے اور ہاؤس بوٹ میں قیام کیا۔ ہاؤس بوٹ میں شعر وسخن کی محفل جمتی تھی۔ ایک بار علامہ اقبال نے چودھری نیاز احمد کے ایک شعر پر ایسی گرہ لگائی کہ پوری مجلس کشت زار بن گئی۔'' علامہ اقبال نے تمام مشاہیر کشمیر کو نواز اعزت افزائی کی مثلاً غنی کشمیری، میاں محمد بخش، مولوی سید چراغ شاہ، مولانا انور شاہ، علامہ محمد ارشد، محمد الدین، مہجو کشمیری، چودھری خوشی محمد ناظر، خواجہ عبدالصمد ککرو، خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ڈاکٹر تاثیر، صاحبزادہ محمد عمر طہ، منشی سراج الدین، خانصاحب خورشید احمد، میاں امیر الدین، سید محسن شاہ، اور نظمیں اقبال اور آزادی کشمیر۔ اقبال آل انڈیا کشمیر کمیٹی ۱۹۳۱ء علامہ اقبال دوسری گول میز کانفرنس و تحریک کشمیر خطوط و مشاہیر کشمیر کے نام علامہ اقبال اور شیخ محمد عبداللہ۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے جب علامہ اقبال ۱۹۲۱ء میں کشمیر گئے تو وہاں پر آپ نے تین نظمیں لکھیں یہ کشمیر سے متعلق تھیں ایک ''ساقی نامہ'' دوسری ''کشمیری'' اور تیسری ''غنی کشمیری'' ساقی نامہ میں کشمیر کی حالت زار بیان کی ہے۔

کشیری کی بابندگی خوگرفتہ بُتے می تراشد زنگ مزارے

ضمیرش تہی از خیال بلندے خودی ناشنا سے زخود شرمسارے ۶

بہر حال ان حوالوں سے میرا مقصد کہنے کا صرف یہ تھا کہ اقبال سو پشت سے کشمیری تھے۔ اقبال کشمیر کے چند بزرگوں سے جن میں قابل قدر سید علی ہمدانی اور غنی کشمیر قابل ذکر ہیں

ان کا ہم نے ذکر کیا اقبال نے کشمیر کہاں تک دیکھا۔ یہ تو ناممکن سی بات ہے اقبال نے وادی لولاب کا ذکر ہے اور کشمیر میں سری نگر میں ٹھہرے ہیں وہ بھی ہاؤس بوٹ میں اس سے علاوہ جو کچھ ہم پڑھتے ہیں وہ تصور ہی ہے۔

نشاط انصاری صاحب لکھتے ہیں خواجہ عبدالصمد ککرو مقبل شائع شدہ ہمارا ادب (شخصیات نمبر ۱) میں دعویٰ کرتے ہیں کہ علامہ اقبال ۱۹۲۱ء میں جب کشمیر آئے تو خواجہ صاحب کے گھر (عبدالصمد ککرو) بارہ مولہ بھی گئے حالانکہ ۱۹۱۹ء میں ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے لیے کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ علامہ اقبال ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۳ء کی درمیانی رات میں خواجہ عبدالصمد کے بیٹے مرحوم غلام حسن کی تعزیت کے لیے بارہ مولہ آئے تھے۔ جگن ناتھ آزاد ان دونوں دعاوی کو صحیح نہیں سمجھتے۔ نشاط صاحب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ جب ۱۹۲۱ء میں بارہ مولہ آئے تھے تو خواجہ صاحب کے پاس بنگلہ میں ٹھہرے جو ڈل میں بنایا گیا تھا۔ علامہ اقبال نے خود کہیں اسکا ذکر نہیں کیا ہے۔

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماندے

علامہ اقبال نے اپنی ذات نہیں چھپائی اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں۔

میں اصل کا خاص سومناتی آبا میرے لاتی و مناتی
تو سید ہاشمی کی اولاد میری کف خاکی برہمن زاد

جاوید نامہ میں جن براہمن زادگاں زندہ دل کا ذکر آیا ہے ان میں خود اقبال نے اپنا شمار کیا ہے یہ تو خیر انکی عمر کے آخری حصے میں کہا گیا کلام ہے ان کے ابتدائی زمانہ کے کلام میں بھی ایسے اشعار ملتے ہیں۔

بت برستی کر میرے پیش نظر لاتی ہے
یاد ایام گزشتہ مجھے شرماتی ہے
ہے جو پیشانی پہ اسلام کا ٹیکہ اقبال
کوئی پنڈت مجھے کہتا ہے تو شرم آتی ہے

یہ شرم تو انہیں اس لیے آتی تھی کہ مسلمان ہونے پر کوئی پنڈت کہتا تھا ورنہ وہ اپنی برہمن زادگی پر ہمیشہ فخر کرتے رہتے کیونکہ اسکی بدولت

ہے فلسفہ میرے آب وگل میں
پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں [۸]

کشمیری کی خوبصورتی تصورکشی اور اقبال کی محبت ذیل کے اشعار میں دیکھئے:

کتاب پیام مشرق میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

رخت بہ کاشمیر کشا کوہ وتل و دمن نگر سبزہ جہاں جہاں بہ بیں لالہ چمن چمن نگر
لالہ زخاک خبردمید موج بہ آبجو تپید خاک شرر شرر ببین آب شکن شکن نگر

کشمیری میگزین میں اقبال کی یہ رباعیات دیکھئے:

ظلم کہتے ہیں انپانہ جن سے چھُٹ سکا
شکوہ حکام پر اے دل نہیں تیرا بجا
کیا عجب کشمیر میں رہ کر جو ہے ان پر جفا
پائے گل اندر چمن دائم پُراست از خارہا

ملازادہ ضیغم لولابی کا بیاض کے عنوان سے اشعار کا ایک قابل قدر حصہ ملتا ہے وہ غیر محسوس طریقے پر ایک مکمل ماہر نفسیات کی طرح پہلے تو لولاب کی تعریف کرتے ہیں اور پھر مقصد کی کڑوی دوا شہد ملا کر بیمار کے گلے سے اتارنا چاہتے ہیں۔

پانی تیرے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب مرغان سحر تیری فضاؤں میں ہیں بے تاب
اے وادی لولاب

گر صاحب ہنگامہ نہ ہو منبر ومحراب دین بندہ مومن کے لیے موت ہے یا خواب
اے وادی لولاب

ہیں ساز یہ موقوف نواہائے جگر سوز ڈھیلے ہوں اگر تار تو بے کار ہے مضراب

اے وادی لولاب

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

یہ شعر علامہ اقبال کی مشہور نظم خضر راہ کے ایک حصہ طلوع اسلام سے میں پیش کرتا ہوں جو حضرت خضرؑ کی زُبان سے اس سوال کے ضمن میں پیش کرتا ہے۔

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

یہ پانچ سوال ہیں جو حضرت خضر سے پوچھتا ہے:

۱۔ تم کوہ بہ کوہ کیوں سرگراں ہو ۲۔ زندگی کا راز کیا ہے
۳۔ سلطنت کیا چیز ہوتی ہے ۴۔ سرمایہ اور محنت میں کیا کشمکش ہے
۵۔ اسلامی دنیا کی حالات اور کیا انجام ہے۔

محمد رمضان مشعل سلطانپوری اس سلسلے میں اس طرح لکھتے ہیں:

پانژمس سوالس جواب دوان چُھہ
حضرت خضرس و نان زبجر تہ سنیئر بلندی حاصل کر نہ خاطر چھہ کینہ کتھ مدنظر تھا ونہ ضروری تم گئیہ یقین پئیدہ کرن۔ ملژار تھاون۔ پتہ لول عام کرن۔ اکھ اُلکس نہ زاغن عملہ نشیہ نہ زاہنہ تہ لوب روزن یہ تھوو مقصد نظر تل تھا وتھ کام کرئنی [۹]

ترجمہ: پونچویں سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت خضرؑ کو باور کراتے ہیں عظمت اور سطوت کو بام اوج تک لے کر ہمدوش ثریا کرنے کے لیے انسان کو چاہیے کہ وہ تیقن کو نہ چھوڑے۔ دامن گیر رہتے اور محبت اور قربت کو شیوہ انسان بنائے۔ ایک دوسرے کو نیچی نگاہ یا ہوس بھری نگاہوں سے نہ دیکھے عمل کو اپنی زندگی کا شعار بناتے اسے کنارا کش نہ ہو۔ اعلےٰ آدرش کے لیے ہمہ تن مصروف و گوش رہے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ Iqbals Contribution to literature and politics General Editor Prof. Muhammad Munawwar, p-10. Published Tourism Department Government of the Punjab Lahore, 1982.

۲۔ Jammu & Kashmir Ladakh by Perwaiz Dewan, p-132. Manas Publications New Dehli. 2004.

۳۔ اقبال شناسی اور جمالیات، ڈاکٹر جاوید قدوس، ص۱۵۳، تعمیر مدیر غلام رسول بڑانہ بحکم مکالات جموں کشمیر اگست ۱۹۹۹ء

۴۔ اقبال شاہ جہاں کے حضور میں از پروفیسر جگن ناتھ، ص۸۲، ایڈیٹر غلام رسول بدانہ، ڈائریکٹوریٹ آف انفارمیشن لاک چوک سرینگر اگست ۱۹۹۹ء

۵۔ اقبال اور مشاہیر کشمیر از کلیم اختر، ص۲۶۳، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۷ء

۶۔ اقبال اور کشمیر از کلیم اختر، ص۶۳، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۹۷ء

۷۔ تخلیقات اقبال از مشعل سلطانپوری، ص۱۶۶، میزان پبلشرز، سری نگر، ۲۰۰۹ء

۸۔ تخلیقات اقبال، از مشعل سلطانپوری، میزان پبلشرز، بٹہ مالو سری نگر، ۲۰۰۹ء

۹۔ وونڑھ، ص۳۶۵، از مشعل سلطانپوری، جے کے آفیٹ پریس دہلی، ۲۰۱۲ء

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 34, Sr.No.93, 2013 pp 65 - 72

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد۳۴، اکتوبر۔دسمبر۲۰۱۳ء، شمارہ۹۳

مثنوی گربه نامه سرودهٔ ظهورالله

دکتر محمد ناصر ،دکتر محمدصابر☆

Abstract:

Persian's impact and influence on sub-continent's culture and literature can never be ignored. Thousands of poets of this land have produced some magnificiant verses in this sweet language. Zahurullah was a Persian poet of Sub-continent in 12th and 13th century A.H. A Mathnawi titled "Gorbeh Nameh" unpublished so far, has been edited and evaluated in this article.

Key words: Persian poetry, Sub-continent 12th & 13th century A.H, Zahurullah

ظهورالله فرزند نور الله شاعرِ فارسی گوی شبه قاره که به گمان غالب در قرن دوازد هم یا سیزدهم هجری قمری می زیسته است (منزوی احمد ۱۳٦٦ش: ۸ /۱۵۰۵) اویك مثنوی دارد به نام گربه نامه که در گنجینهٔ آذر به شماره ۳٦۸ـهـ۷۵۸٦ در کتابخانهٔ مرکزی دانشگاه پنجاب، لاهور نگهداری می شود و این نسخهٔ منحصر به فرد به خط نستعلیق توسط اکبر علی کرتارپوری در ماه رجب ۱۲۹۵ هجری قمری نوشته شد (نوشاهی، خضرعباسی ۱۳٦۵ش : ۲۹۱) اطلاعات معتبری دربارهٔ سرایندهٔ مثنوی گربه نامه به دست نرسیده است۔ اما در مثنوی اشاره شد که این

☆ اعضای هیات علمی گروه فارسی دانشگاه پنجاب، لاهور، پاکستان

قصه را شاعری به نام اشرف لاهوری به زبانِ هندی سروده بود و ظهورالله آن را به شعر فارسی انتقال داد۔ بگفته خود ظهور الله اصلِ منظومهٔ اشرف لاهوری بسیار کوتاه بود و ظهور الله بر اصلِ قصه ابیاتی را افزوده است تا برای خوانندگان جالب تر باشد۔

خلاصهٔ مثنوی:

این مثنوی مشتمل بر ۱۰۳ بیت است ، شاعر در آغاز مثنوی به حمد باری تعالیٰ و سپس به ستایش پیغمبر اکرم و آلِ رسول و اصحاب اجمعین پرداخته و از خداوندِ متعال خواستار شفاعتِ پیغمبر اسلام شده است۔

شاعر ذکر شاهزادگان از جمله تارا سنگه، شیر سنگه، شمشیر سنگه و کرپال سنگه آورده، ذکر خلیفه سعدالله را نیز کرده است۔ سپس به اصلِ قصه پرداخته که در شهر لاهور گربه ای برای مکرو تذویر خود معروف بود، یك روز وارد میخانه شد و از خدا خواست که موشی به دستش برسد۔ دعایش مستجاب شد، یك موش از یك گوشه ای به سوی شراب شتافت و پس از خوردن کاسهٔ شراب حواسِ خود را باخت و لاف زد که اگرگربه ای پیشِ او بیاید، گوشتش را می خورد، پوستش را می کند و استخوانش را می درد، اما بد بختانه همان لحظه به دست گربه افتاد۔ موش فوری پوزش طلبید۔ گربه نه تنها که عذرش را پذیرفت بلکه افزود که ازین به بعد هیچ موشی را آزار نخواهد رساند ۔ آن موش معصوم و ساده پیام گربه را به قومِ موشان رساند و همه آنها حرفهای گربه را باور کرده ، در برابر گربه حضور پیدا کردند۔ گربه که منتظرفرصتی بود، همه موشها ر ا خورد۔ در پایان شاعر بارِ دگر خواستارِ شفاعتِ پیغمبر شده و برای والدین و برادران خودش از خداوندِ متعال شادی و آبادی را طلبیده استَ۔

متن مثنویگربه نامه:

۱ قل الحمد و بعدش ثنای عظیم — به احمد بلامیم واحدبه میم

٢ پس از حمد بی حد پروردگار که اسری به عبده به لیل القرار
٣ پس از نعت بی حد حبیبِ خدا که دادش به سرتاج معراج را
٤ به یاران و برآل و اصحابِ چار کنم از دل و جان نثارا نثار
٥ به فضل کریم و به لطفِ رسول کنم من بیان تا بیابد قبول
٦ یکی شخص اشرف به لاهور بود کزو قصهٔ گربه مشهور بود
٧ خدایش دهد جا به جنت مدام طفیل محمد علیه السلام
٨ و لیکن به هندی زبان گفته بود تو گویی که د ر سلك دُ ر سقته بود
٩ منم بندهٔ عاجز و پُر گناه ز نور الٰهی ز نور اِله
١٠ بگفته تلامیز از جانی عزیز که هر یك ازان بود اهلِ تمیز
١١ همه شاهزاده ز بخت بلند فگنده عد و را ز تختِ بلند
١٢ جوان و جوان بخت روشن ضمیر به دولت جوان و به تدبیر پیر
١٣ یکی تارا سنگه و دگر شیر سنگه سیوم نام او هست شمشیر سنگه
١٤ چهارم ازان جمله کرپال سنگه که پشت عدو بشکند وقتِ جنگ
١٥ نگه دار یارب به فضلِ خودش بپرهیز ز آسیب چشمِ بدش
١٦ زهمراهی آن عزیرانِ صدر که هر یك ازان است چون ماه بدر
١٧ خلیفه به سعد الله موسوم بود به دوران سهمیش چو معدوم بود
١٨ بجز ذکر حق قیل و قالش نبود بجز یاد احمد خیا لش نبود
١٩ محمد بخش بود نامش دگر به خوبی مثالش نبوده دگر
٢٠ خدایش عزیز و سلیمش کناد محمد شفیع و کریمش شواد
٢١ اشارت نمودند گر آرزو عزیران برآید زهی آرزو
٢٢ همان قصهٔ نیك و خوش فال را همان نامهٔ خوب و خوشحال را

٢٣ به پارس زبان نظم کردم شتاب — که باشند از خواندش بهره یاب

٢٤ و لیکن نمودم دراز و طویل — اگرچه بگفت آن مصنف قلیل

٢٥ که تا آن، عزیز و دگر اهلِ شوق — زتطویل این قصه یابند ذوق

٢٦ به فکرو تامّل نگفتم سخن — شناسنده آهو نگیرد به من

٢٧ امیدم چینن است زاهلِ قلم — که حشوم بپوشد به ذیلِ کرم

٢٨ به روزِ آدینه مداد و قلم — گرفته به دست و بگفت این دلم

٢٩ که قصه عجیب یاد دارم ز دوش — اگر بشنوی خوب با گوش هوش

٣٠ یکی گربه در شهر لاهور بود — نه بُد گربه بل شیر پُر جور بود

٣١ چو مهتاب روشن جبینش ز نور — همه وقت ماندی به فرح سرور

٣٢ چو حمله زدی موش را جلد تر — به نازك بدن گشتی زیر و زبر

٣٣ عجب لعبتی مکر و تزویر بود — زمکر و حیل نقش و تصویر بود

٣٤ در آنجا چنان خانۀ می فروش — که هر کس ببیند بیاید بجوش

٣٥ نهاده در آن خانه چندین قطار — زِخُمهای پُرمل زحد بی شمار

٣٦ در آن خانه یك روز آن گربه رفت — تو گویی که از شوق بر شد به تخت

٣٧ به یك گوشه بنشت و نظرش به راه — که موشی بیآید به اذنِ اِلهٰ

٣٨ چنان در کمین گاه دلبند گشت — بدانی که با خاك پیوند گشت

٣٩ بگفتی الهٰی منم عجز نقش — بسا گرسنه زود موشم ببخش

٤٠ دعایش به درگاه شد مستجاب — یکی موش از گوشه شد بر شراب

٤١ بیاید می خم ذنب را فشاند — ولی بی خبر ز اینکه اجلش نشاند

٤٢ چو نوشید یکی کاسه شد مست خیز — بگفتی اناالحق چو منصور تیز

٤٣ منم شیر، نی دیگری گربه سر — بیاید به خونش کنم دندهِ تر

٤٤ اگر گر به آید خورم گوشتش — دگر استخوانها و هم پوستش
٤٥ چو گربه زموش این سخن گوش کرد — بخورد همان موش صد گوش کرد
٤٦ چنان جمله بر موش پر جوش کرد — که جمله خودی را فراموش کرد
٤٧ چو دانست آن موش با مرگ جفت — که می میرم اکنون به سنّور گفت
٤٨ منم موش عجز تویی گربه شاه — ترا قسم ربی ببخش این گناه
٤٩ اگر باده هرگز نیوشیدمی — برِچون توشاهی نجوشید می
٥٠ اگرچه نمود ند لطایف حیل — و لیکن نه بگذاشت کردش قبل
٥١ چو آن موش را گربه خوردن نمود — به جایی نمازی نشین گشت زود
٥٢ چوآن فاز مقتول و ماکول گشت — به تسبیح تهلیل مشغول گشت
٥٣ چنین گفت گر به که ای کار ساز — تویی خالق و از همه بی نیاز
٥٤ به توبه به تو گویم اکنون سخن — نخواهم که موشی برنجد زمن
٥٥ چو دانم که ظالم به دوزخ رود — اگر موش رنجد ز من بد بود
٥٦ به سوراخ موشی سخن چون شنید — به موشان دیگر به شادی دوید
٥٧ به شادی و فرحت بگفت این سخن — که ای اهل خوف و دگر اهلِ ظن
٥٨ مباشید غمگین ز رنج و هراس — که گر به نموده فقیری لباس
٥٩ ز هرموشی آواز شکرِ خدا — برآمد که خالق تویی غم ربا
٦٠ از آن قوم موشان سردار هفت — بدیدار رفتند با مال و رخت
٦١ برِ گربه با تحفه حاضر شدند — چو طفلان بشادی به مادر روند
٦٢ به دستِ یکی طاش کشمش انار — به دست دگر توشهٔ شاهوار
٦٣ یکی خوان پُر میوه بر کتف کرد — بشادی سوی گر به با عطف کرد
٦٤ غرض موشها چون برای سلام — دویدند و گشتند حاضر تمام

٦٥	بدیدند گان گربه جایی نماز	نشین است پی عجز و فقر و نیاز
٦٦	چو گر به همه موشها را بدید	به درگاهِ حق شد شنایان حمید
٦٧	که رزاق هر کس تویی بی گمان	تویی نیك کشاف رازِ نهان
٦٨	چنین گفت گر به که این بد طعام	بکن دور از چشم من موش خام
٦٩	چنین گفت گر به همه موش را	خدا نیك بخشد شما را جزا
٧٠	توکل نمودم به روزی رسان	مرا حاجتی هیچ نی ز این و آن
٨١	همه موشها گفت راضی شوید	حلال این غذا هست جلدی خورید
٨٢	حلال است و بس پاك قسم رسول	چنین خوش غذا کرد باید قبول
٨٣	حرام است از مالِ سُر قت طعام	مرا حاجتی نیست بخورم حرام
٧٤	و لیکن بیایید نزدیك من	که پوشیده در گوش گویم سخن
٧٥	چو آن موش نزدیك گربه رسید	بشادی و فرحت به سینه کشید
٧٦	غرض جملگاران را به پهلوی خویش	نشاند و کرم کرد ر اندازه بیش
٧٧	چو گشتند بی فکرورنج از سنّور	چنان حمله زد گربهٔ نیك طور
٧٨	که دو در دهانش دو در دست کرد	غرض جملگان را گلو بست کرد
٧٩	دویدند دو موش خالی ز هوش	به موشان دیگر به شور و خروش
٨٠	که کشتی عمر همه نسلِ ما	فرو برد گربه به ورطه فنا
٨١	به گلزارِ ما صدمهٔ باد خزان	زتقدیر قادر رسید این زمان
٨٢	چه سازیم کین آفتِ ناگهان	به خاك عدم کرد ما را نهان
٨٣	که دست اجل رخت هستی بسوخت	به سرهای ما کوس رحلت بکوفت
٨٤	به وقتی که گربه ستم پیشه بود	بخوردی یك موش این حرفه بود
٨٥	چو اکنون شده زاهد و ورد خوان	هزاران خورد موش در یك زمان

۸٦ عجب مومن و مسلمان گشته است — که صد موش را این زمان کشته است
۸۷ چو موشان شنیدند باز این ستم — که بر قوم ما گربه کرد این ظلم
۸۸ چنان شور و فریاد کردند تیز — که گویی نمود ا ر شد رستخیز
۸۹ و لیکن بگفتند گان موش گر — بیاده نکردی دهن خویش تر
۹۰ نرفتی چنین جور هرگز برو — بماندی همه قوم ما سرخرو
۹۱ چوآن بی خرد باده را نوش گرد — به جان بردنِ قوم هم نوش کرد
۹۲ ندانی که عاصی به بحر فناه — برو کشتیِ عالمی بی گناه
۹۳ ظهورالله آخر بپرسم ز تو — کزین کار، ایمان بماند بگو
۹٤ گر ایمان بخواهی طفیلِ رسول — بنه سر که افتی به درگه قبول
۹٥ اگر نیکویی بایدت بی شمار — ثنا گوی برآل و اصحابِ چار
۹٦ اگر مخلص بایدت ای غم اسیر — قدم بوس شو حضرتِ دستگیر
۹۷ اگر پاك خواهی تنِ خاك را — بیا یاد کن مرشدِ پاك را
۹۸ الهٰی طفیل نبی ا لکریم — به تاج نبوت چو دُرِّ یتیم
۹۹ چنین عاجزی را به نام حسین — به سردارش ازسایهٔ والدین
۱۰۰ دو اخوین او را بدا ری نگاه — که عبدالله و عنایت الله
۱۰۱ به عمر طبعی رسند شاد باد — خدایِ جهاندار زو شاد باد
۱۰۲ دگر حق داران و امید وار — خدایا بداری بدین برقرار
۱۰۳ دعایم کند هرکه خواند مدام — حکایت برین ختم شد والسلام

تمت تمام شد گربه نامه تصنیف بنده درگاه ظهورالله ابن میان نورالله مرقد هم دستخط بنده فقیر حقیر اکبر علی کرتارپوری حال وارد امرتسر به جلدی تمام اختتام یافت والله اعلم باالصواب تحری ربه تااریخ رجب ۱۲۹٥ هجری۔

مقدسه معلی

نوشته بماند سیاه بر سفید نویسنده را نیست لمحۀ امید
الهی هر آن کس که این خط نوشت عفو کن گناهش عطا کن بهشت

ویژگی های هنری :

بیت ٤. ٩٥۔ اصحابِ چار: اشاره به چهار خلیفه از جمله حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان و حضرت علی

بیت ١١۔ عدو را از تختِ بلند افگندن: کنایه برای شکست دادن

بیت ١٤۔ پشت عدو شکستن: کنایه برای پیروزی و کامگاری

بیت ١٦۔ عزیزان صدر چون ماه بدر: تشبیه

بیت ١٨۔ قیل و قال: جناس

بیت ٢٢۔ خوش فال و خوش حال: جناس

بیت ٢٤۔ طویل و قلیل: تضاد

بیت ٢٩۔ با گوشِ هوش شنیدن: کنایه برای ارتکاز توجه

بیت ٣١۔ چو مهتاب روشن جبینش زنور: تشیه

بیت ٣٢۔ زیر و زبر: تضاد

بیت ٣٣۔ مکر، تزویر و حیله: مراعات النظیر

بیت ٣٨۔ با خاك پیوند گشتند: کنایه برای پنهان شدن و ناپدید گشتن

بیت ٤٢۔ اناالحق گفتن منصور: تلمیح

بیت ٤٦۔ موش و جوش: جناس

بیت ٦٥۔ نماز و نیاز: جناس؛ عجز، فکرو نیاز: مراعات النظیر

بیت ٨١۔ بادِ خزان در گلزار وزیدن: کنایه برای پژمردن و افسردن

کتاب شناسی:

١۔ منزوی، احمد (١٣٦٦ش) فهرست مشترك نسخه های خطی فارسی پاکستان، جلد هشتم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد۔

٢۔ نوشاهی، خضر عباسی (١٣٦٥ش) فهرست نسخه های خطی فارسی کتابخانۀ دانشگاهِ پنجاب، لاهور، گنجینۀ آذر، مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد۔

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 34, Sr.No.93, 2013, pp 73 - 86

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد۳۴، جولائی۔ستمبر۲۰۱۳ء، شمارہ۹۳

آثار میرزا حسن اصفهانی

ڈاکٹر اعجاز احمد ندیم☆

Abstract:

Mirza hassan Isfahani mostly known as Safi Ali Shah was born in Isfahan in 251 A.H. He was a prominent scholar, distingueshed writer and an imminent mystical poet of his age. He was a practicing Sufi, and so his many miracles have been quoted by his disciples. Zobdatul Asrar, Bahrul Haqayeq, Irfanul Haq, Meezanul Marefa and Tafsirul Quran are among his well known literary & mystical works. In this article, his life and works have been introduced and evaluated.

Key words: Persian literature, Mysticism in Iran, Safi Ali Shah, Life & works.

حاجی میرزا حسن اصفهانی مقلب به صفی علیشاه فرزند محمد باقر اصفهانی از عرفاء و شعر ای نامی اواخر قرن سیزدهم و اوایل قرن چهاردهم هجری قمری است۔ وی از اقطاب سلسلهٔ نعمت اللهی و مؤسس فرقهٔ صوفیانه به نام سلسلهٔ صفی علیشاهی است که از سلسله نعمت اللهی به وجود آمده بود۔ صفی علیشاه شرح زندگی خود را در مقدمهٔ تفسیر منظوم قرآن چاب سنگی چنین می نگار:

☆ **رئیس دانشکدهٔ دولتی، شرقپور**

"مقسط الرأس فقیر اصفهان است درسیم شعبان ۱۲۵۱ تولد یافتم، پدرم تاجر بود، از اصفهان به یزد رفت و در آنجا مسکن گزید۔ فقیر در آن وقت خرد سال بودم، مدت بیست سال دریزد توقف نمودم، و بعد از طرف هندوستان به حجاز رفتم، اغلب از مشایخ ایران وهند و روم را ملاقات کردم، از بعضی قلیل مستفیض شدم و قواعد فقر و سلوك را که اخذش منحصر بخدمت و قبول ارادتست باتصال سلسله که شرح آنهم مبسوط است و دراین مختصر نگنجد به دست آوردم و درهندوستان به تألیف "زبدة الاسرار " نظماً که در اسرار شهدت و تطبیق با سلوك اللّٰه است موفق شدم۔ به عزم ارض اقدس رضوی از راه عتبات عالیات به شیراز و یزد مراجعت کردم و به تهران آمدم۔ چون سکنای دارالخلافه از برای هرکس بخصوص امثال ما جماعت از سایر بلاد امن تر است سیماد (بویژه) دراین زمان که سلطان سلاطین دوران خلد اللّٰه ملکه دولته که پادشاه ایران است (مقصود ناصر الدین شاه است) بحمداللّٰه والمنه بجمیع اخلاق و اوصاف پادشاهی از آفریدگار عالم مؤیدمی باشد فقیر درهم درهمین ملك متوقف شدم و بیش از بیست سال است که دارالخلافه ساکن و آسوده ام و باکسی درکلام و مقامی طرف نیستم که موجب زحمت شودو اگرهم از مردمان بیکار یا با کار ناملایمی دیدم و سخنی و غرض شنیدم متحمل شدم۔درمعاش هم الحمد اللّٰه اینقدر ها قناعت دارم که کار بخرابی و خسارت نرسد آشنا و بیگانه را بزحمت خود نیند ازم بیشتر او قاتم مصروف به تحریر است رساله عرفانالحق وهم بحر الحقایق و میزان المعرفه را در این چند سال نوشتم قریب دوسال است مشغول نظم تفسیر قرآنم که هم اشتغال است وهم طاعت وهم تشویق مردم فارسی زبان بخواندان و فهمیدن کلام اللّٰه مجید شاید اجر فقیر عنداللّٰه ضایع نگردد و مردم را سالها و قرنها سبب هدایت شود توفیق نیت خالص و رفع اغراض طبیعت از خدای می طلبم درضمن تفسیر هرچه ازم بودم نگاشته ام دراین فهرست همین قدر کافیست والسلام علی من اتبع الهدی"(۱)

درطرائق الحقائق آمده است که صفی علیشاه اول دست ارادت به حاجی

زین العابدین شیروانی داد۔ (۲) بعد از وفات او به خدمت رحمت علیشاه رسید و مورد توجه و عنایت آنحضرت گردید و صفی علیشاه لقب یافت، رحمت علیشاه اورا به بمبئی فرستاده بود که از مریدان سلسلۀ نعمت اللهی تجدید عهد بگیرد۔وقتیکه از رحلت رحمت علیشاه اطلاع یافت عازم شیراز گردید و به خدمت منور علیشاه که بعد از رحمت علیشاه ادعای جانشینی وی نمود رسید بعد از مدتی دریزد و از آنجا به تهران مأموریت یافت اما زودی با منور علیشاه اختلاف پیداکردو او، وی را از مقام ارشاد خلع کرد از این زمان صفی علیشاه که داعیۀ ارشاد داشت در اثر حسن خلق و رفتار ملایم و مردم داری و تسلط به مباحث عرفانی به طور مستقل به ارشاد مریدان مشغول شد و دیری نگذشت که سلسلۀ صفی علیشاه را پایه گذاری نمود و به دستگیری طالبان این فرقه مشغول شد و سرانجام درسال ۱۳۱٤اهجری در تهران در گذشت و درخانقاهی که هشت سال قبل از مرگش در حوالی میدان بهارستان و خیابان صفی علیشاهی فعلی ساخته بود، مدفون شد(۳)از وی سه فرزند یك پسر به نام نور الدین شاه و دو دختربه نام شمس الضحیٰ و نور الضدیٰ به یادگار ماند۔(٤)

اگرچه شهرت میراز حسن اصفهانی بیشتر از جنبه تصوف اوست نه شاعری او اما وقتیکه مامثنوی های او و دیوانش را در نظرمی گیریم به تیجه ای برسیم که وی نه تنها درتصوف و عرفان دارای اهمیت خاص می باشد بلکه درحوزۀ شعر و شاعری هم از کمالات خاص برخود دار است بنا به گفته خان بابا مشار از آثار وی است: آیة العشاق، اثبات نبوت، اسرار المعارف ، بحر الحقایق ، تفسیر سوره یوسف، تفسیر صفي، دیوان شعر، زبدة الاسرار، عرفان الحق، کرسی نامه، میزان المعرفة و برهان الحقیقه في آداب المسلوك و لطریقة(٥)که معرفترین آنها عبارتنداز:

مثنوی مفصلی است یوزن مثنوی معروف مولوی که " دراسرار شهادت و تطبیق باسلوك اللّٰه" سروده شد است اشعار ابن کتاب غالباً شود انگیز و برحال و گیراست و شاعر در آن تنها به شرح خشك رموز و اسرار اکتفا نکرده است بلکه

باتمثیلات و حکایات شیوا و بلیغ بیان خویش را در شرح راز های عرفان و شهادت شهیدان راه حق و حقیقت آراسته است(٦)زبدة الاسرار چنین شروع می شود:

مطلع دیوان اسرار قدیم — هست بسم اللّٰه الرحمن الرحیم
آن کتاب اللّٰه که گنج حکمت است — افتتاح او بیاب رحمت است
حق چو چنگ آفرینش کرد ساز — باب ایجاد او برحمت کرد باز
باز آلها حق قرآن بلیغ — رحمت خود را مدد از ما دریغ
بخش ما را حق قرآن کریم — استقامت در صراط مستقیم(٦)

صفی علیشاه دربیان آنکه حقیقت عشق و مصداق آن مفهوم حضرت خامس آل عبا سید الشهدا علیه السلام است، می گوید:

هرچه گویم عشق از آن باشد فزون — مطلق است از کیف و کمَ و چند و چون
راست گویم عشق مصداقش حق است — در حقیقت عشق حقَ مطلق است
بز ظهور عشق خویش آن ذات پاك — جلوه گرشد در لباس آب و خاك
گشت اول احمد از اسرار عشق — در رسالت منشاء اظهار عشق
لا جرم فرمود آن مرد سبیل — شد حسین از سیف جد خود قتیل
پس نتیجه آن نبوت درظهور — شد ولایت منشاء عشق غیور
شد ولایت را نتیجه در جلال — عشق مطلق مصدر کل کمال
زین سبب فرمود فخر عالمین — که حسین است از من و من از حسین
این نبوت چسیت دانی نور عشق — وان ولایت آیت مستور عشق
چون نبوت با ولایت یك شود — آنچه حاصل زین دو عشق آن یك شود
بس حسین آن شر جان احمد است — عاشقا نرا مصدر وهم مقصد است(۷)

در این مثنوی تنها به طریقت متوجه نشده، بلکه شریعت را نیز صفی علیشاه خواسته است با طریقت همگام و همآهنگ کند و در فضائل ائمه اطهار و اشارات زندگی هر یك از ایشان در انطباق با مشرب عرفان دار سخن داده است:

درآخر این مثنوی مکالمه ای بین عقل و عشق است که بعضی از اشعارش اینجا نقل می شود:

مرغ عشقم باز در پرواز شد — باب عشقم باز بر دل باز شد
تغمهٔ دیگر در این ره ساز کرد — داستان عشق و عقل آغاز کرد
گوش جان بگشاگرت دل مردة نیست — حالت از سرمای هجر افسرده نیست
عشق و عقل عاشقالنا را گوش کن — حالشان را پیشو ای هوش کن
عقل گوید عاشقی دیوانگیست — عشق گوید عقل بر بیگانگیست
عقل گوید بندهٔ درگاه باش — عشق گوید بند بکسل شاه باش
عقل گوید عاشقی جزننگ نیست — عشق گوید نامها جز زنگ نیست
همچنین در کربلا سلطان عشق — چون روان گردید بر میدان عشق
عقل آمد راه او را سخت بست — عشق آمد از دو کونش رخت بست
عقل نرمی کرد و با پرهیز رفت — عشق گرمی گرد و آتش زیر رفت
عقل بریان گفت و استدلال یافت — عشق مستی کرد و استقلال یافت
عقل گفت از جان گذشتن خاریست — عشق گفتا ترك جان سرداریست
عقل گفتا صلح کن با این سپاه — عشق گفتا جنگ ریزد زان نگاه
عقل گفتادر دلایل خستگی است — گر کمال عشق در وارستگی است
چون عشیق از جام وحدت مست شد — عقل باعشق آمد و همدست شد(۸)

۲ـ بحر الحقایق:

این مثنوی مفصلی دربحر هزج مسدس مقصود وزن معروف خسرو شیرین نظامی گنجوی است ـ صفی علیشاه این مثنوی را برشیوه گلشن راز سروده است در این مثنوی اصطلاحات عرفانی و دینی و سیروسلوك را بنظم توضیح داده وبعضی از مطالب مخصوصه اهل عرفان را تأویل فرموده است که هر اصطلاحی را بخواهید و در ضمن آن حروف باید ملاحظه فرمایید و علاوه برآن اغلب اسماء اللّٰه را به شعر تفسیر

فرموده شده است۔ این مثنوی چنین شروع می شود:

بنام آنکه بنیاد جهان کرد — عیان نقش زمین و آسمان کرد
بعارف نور قلب و ذوق جان داد — بیان معرفت بعد از عیان داد
بعقل آموخت ادراك حقایق — زبانراساخت بر گفتار لایق(۹)
صفی تأیید از جان جهان یافت — سر اندر راه عشقش داد و جان یافت

دی درباره "اسم" می گوید:

ز اسم ار اصطلاح ما بدانی — عجب باشد اگر در لفظ مانی
مراد از اسم نزد ما مسمی است — که اورا اعتبار لفظ و معنی است
بوجهی اسم گویم عین ذات است — که دروی اعتبارات صفات است

دی درباره "اسم اعظم" می گوید:

دگر بشنو بیان اسم اعظم — که ان اللّٰه میباشد مسلم
از آن حیئی که اللّٰه اسم ذاتست — در او مجموع اسماء صفات است
پس اللّٰه جامع مجموع اسماست — خود اسما را بجمعیت هویداست
صفی راهست تحقیقی دراین باب — نکو بشنو بگوش و هوش و درباب
بهر عالم که سالك وارد آید — در آنجااسم اعظم تر نماید
مراد از اسم اعظم پیش گاه — بود بیشك شهود ذات اللّٰه
رسی چون بر مقام واحدیت — بیابی اسم اعظم را حقیقت(۱۰)

دربارۂ "اسم" می گوید:

ز اوتار ار بپرسی چار مردند — که هر یك درمقام خویش فردند
جهانرا در مقام حفظ و سکنند — جهات سته را این چار رکنند
محل نظره خلاق کونند — معین ملك و خود درعین عونند

درباره "حق اليقين" می گويد:

تو را حق اليقين گر سمع باشد شهود حق بعين الجمع باشد
بود جمع الاحد بمعنی بتحقیق خود آن حق اليقين بی شوب تفريق
یقین عارف آنجا جز بحق نیست که نامی از وجود ما خلق نیست(۱۱)

از اسماء اللّٰه درباره "الرحمن" می گويد:

بود رحمن ز اسماء الهی در او جمعیت اسما کماهی
ازو فايض وجودات و کمالات ازو نازل بهر شیئی فیوضات
ز رحمانيت است ایجاد اشیاء ز رحمانيت است اعطاء و احياء
ز رحمن است نظم آفرینش ز رحمن است برهر دیده بینش
دم رحمن بود آن فيض سابق که بر مخلوق نازل شد ز خالق

همنيطور درباره "رحيم" می گويد:

رحیم اسمیت کز وي می شود خاص بقرب حق وجود اهل اخلاص
هر آنرا فهم معنای رحيم است دراین ره صاحب قلب سلیم است
هر آن فیضی که در قوس صعودت رسد در کشف ایمان از وجودت
ز توحید و مقامات و منازل شود تا فطرت ات بر بحر و اصل
خود آن فيض رحيمی بر رجال است هم او مخصوص بر اهل کمالست
غرض باشد مفيض اهل اخلاص رحیم اندر کمال رحمت خاص
نباشد گر که تأیید از رحیمت نگردد طی صراط مستقیمت(۱۲)

درباره "قلب" می گويد:

دگر از قلب بشنو شرح و معنی که برفیض حياقت اوست مبنی
مجرد جوهری نورانی و زین بجمع روح و نفس او حد مابین
تحقق یافت انسانیت از وی بود درنفس نورانیت از وی
بنفس ناطقه نامد حکیمش بود هم روح باطن از قدیمش

دگرهم نفس حیو انیش مرکب مثالش بر ز جاحه گشت و کوکب
بقرآن روح را حق خوانده مصباح ز جاجه قلب و تن مشکوة وضاع
دگر هم ظاهر او کو طلسم است مبان نفس حیوانی و جسم است
وسط بین وجود است و مراتب که آن باشد تنزل را مناسب
بمثل لوح محفوظ منظم درآن تفصیل موجودات عالم
پس آن بهتر که دراین لوح محفوظ نباشد غیر حق میچ ملحوظ (۱۳)

۳۔میزان المعرفه و برهان الحقیقه:

رساله ای عرفانی است، صفی علیشاه این رساله را به نثر درشرح و معنی انسانیت که دانستن و عملکردن آن به هر انسانی فرض است ، نوشته است مطالب این رساله تحت عنوان های زیر توضیع داده شده اند:

۱۔ دربیان آنکه انسانیت موقوف به آدات ظاهر وسلوك باطن است
۲۔ دربیان آنکه دریافت مرتبۂ انسانیت منحصر به سلوك تصوف است
۳۔ دربیان تشقیق و تمیز اهل معنی از مدعی
٤۔ تحقیق دربیان ظهور مهدی عجل اللّٰه فرجه
٥۔ دربیان اوصاف و اعمال که متعلق به سلوك تصوف واصول توحید و عرفان است
٦۔ دربیان آدابی که متعلق به رسوم معاشرت و اصول مدنیت است و مراعات این آداب از لوازم صورت آدمیت است که بطور نصیحت بیان می شود۔
۷۔ دربیان اوصافی که مناسب ومطبوع ارباب عقول نیست وترکش بر اهل دانش واجب است وارتکابش موجب افسوس و پشیمانی است۔

ابن رساله چنین شروع می شود: جهاںآفرین را بهر نعمت به خصوصی گویائی سپاس گویم و ارصدّیقان بارگاه جلالش به صدق گفتار اعانت جویم ۔ حق سپاس به نعمت باری تعالیٰ راستی است و حق زبان است گفتن آدمی را زبان داد تا به راستی گوید و سخن به رضای جهان آفرین گوید وکلام راست و درست تطویل

نخواهد و تفصیل ندارد زبان دان خرامند اغلب خاموش ودرسخن گفتن به هوش.....“(۱٤)ـ

نثر این رساله فصیح و گاهگاه مسجع نیز است ـ می گوید: تو ای عزیز اگر در سلك عارفان و مرشدان و گوشه نشینانی اول تحصیح اعتقاد کن و مریدان را به عقاید نیك باز دار و ترغیب به شریعت کن.....(۱۵)

خاتمه این رساله که بسیار و خوش کن می باشد چنین است:”منت خدای را به تمام نعمتهای او که تمام ممکنات ادمِضای اندکش نتوانند کردسیما بنعمتهای حفیه که آنرا حق شناسان شناسندو خدای پرستان دانند الهی هرچه ما را نیست عطا کن و اگر استحقاق نیست مستحق ساز استعداد عنایت مولاست بهر کس خواهی توانی داد این دعا بی اختیار آمد صفی، کیست که شکر نعمت کند یا چیزی مزید خواهد یا استعداد جوید یا

بنیستی گراید حق ماست و هستی ترا سزاست لا حول ولا قوة الا باللّٰهـ

الهی بیخشن آنچه از ما خطاست	ز تو نیکی آمد بد بهار زماست
شرور از عدم گفت و خیر از وجود	عدم را کجا بود بود و نمود
همه خیر از هستی ایزداست	ز ما باشد از قول وفعلی بداست
عرض بودرنگ و بنفش	به بیرنگی اصل ما را ببخش(۱٦)

٤ـعرفان الحق:

رساله ای است به نثر که دربارهٔ سبب تألیف آن صفی علیشاه می گوید: سابقاً خامه مشکین ختامه بنگارش منظومه مسماة به”زبدة الاسرار“ که مبتنی است برنکات معارف و مراتب سلوك سالك عارف توفیق یافته بودـ باز عمر عزیز را مغتنم شمرده بنگارش این رساله که مسماست به ”عرفان الحق“ از باطن ولی مطلق مدد خواستم تاسر رشته بدست آید وهر ناظری بی زحمت ریاضت تماشای ریاض نماید و بنای این کتاب برفصل و باب نیست ، فصلش توحید است و بابش تائیدـ هر وقتی

بمقتضای حال و مقام نوشته شد۔ انشاء اللّٰه مقبول ارباب معرفت و عقول گردد"(۱۷)

این رساله از بهترین رسالات عرفانی است و از نظر تصوف و عرفان دارای ارزش واهمیتی خاص می باشد،به این رساله به نثر نوشته شده که درآن گاهگاه شعرهائی هم مندرج است و به کلمات بزرگان و احادیث و اخبار و آیات استشهاد شده است سید عبداللّٰه انتظام درمقدمه این می نویسدکه : "از آثار دیگر این عارف بزرگ یکی"عرفان الحق" است که محققاً از بهترین رسالات عرفانی است و باوجود اختصار ظاهر شامل تمام اصول تصوف و عرفان بوده و با نثری جذاب انشا، شده که مسلماً مؤلف درترتیب آن از عالم علوی الهام گرفته است۔ اگر خواننده با تو جه وحوصله و دقت و فرصت مکرر آن را مرور نماید نه تنها موجب ملال نمی گردد بلکه هربار حقائق تازه ای از دقائق عرفان بر او منکشف و از منبع فیاض آن مستفیض میشود"(۱۸)

این رساله چنین شروع می شود:

"بدان که ذات حق صرف هستی است وهستی به حقیقت یکی است: اشیاء بهشتی او هستند و به یك نشأة مست۔ وجود واحد است ونمود متعدد چون از نمود گذری بر از وجود بری۔ وجود را ضدی نبود که مخفی نمود والا او هویداتر از هر هویدائیست وهویدائی جز او نیست او آشکار است و جز او هرچه است پندار ۔ جز او گفتن خطاست، غیر او چیست و کجاست؟

لمؤلفه

فهم این نی کار عقل دانی است　　عقل را بگزار کاین وجدانی است

وجود را نه مثل باشد نه محل، نه آخر دارد نه اوّل ، اوّل و آخر مراتب وجود است و وجود من حیث هو غیر محدود ۔وجود همیشه درتجلی است و ظهورش طفره و تعطیل نیست"۔(۱۹)

۵۔تفسیر قرآن:

این تفسیر قرآن که به تفسیر صفی معروف است نه فقط بزرگترین آثار صفی

علیشاه است بلکه یکی از آثار بزرگ و پر ارزش قرن چهاردهم هجری می باشد این تفسیر منظوم که بروزن مثنوی مولوی در بحر رمل مسدس مقصود سروده شده است درمدت دو سال به پایان رسید و دارای ٤٢٠٠٠شعرمی باشد. دیباچه منظوم این تفسیر چنین آغاز می گردد:

حمد بیحد ذات پاکی را سزا است — کو خلایق را نیکی رهنماست
خاك را جان داد و ادراك و بیان — تاشناسد دادهٔ خلاق جان
داد او بشناختن، هم داد اوست — نعمتش دانستن از ارشاد اوست
خاك می دانست کسی تعظیم او — گشت از ارشاد او تسلیم او
از ره تسلیم ذی ادارك شد — از کدور تهای خاکی پاك شد
پس زبان دادش که آید در سپاس — زان سپس کز جود او شد حق شناس
کرد تعلیمش رموز معرفت — گشت از تعلیم او کامل صفت
برگزید از خاکیان خیل رسل — حلق تا بروی گرایند از سیل

یك رباعی درمادهٔ تاریخ این تفسیر از خود صفی علیشاه نوشته شد:

من خو بترین ترجمهٔ قرآنم — به معجزهٔ بنی بهمین برهانم
تاریخ من از طلب کنی خود گویم: — "تفسیر صفی هادیِ گمراهانم"

شیوه صفی علیشاه درتفسیر چنین است که اوّل آیات شریف قرآن را ذکر می کند ودر ذیل آن معنی فارسی آیات را به نثر می نگارد و سپس تفسیر را بنظم می سراید آغاز تفسیر چنین است.

از پی تفسیر قرآن مجید — باشد از حق عمر و توفیقم امید
تا بشکر آنکه دادم نطق و کام — معنی قرآن بنظم آرم تمام
ابتدا از نام خویش اندر کتاب — با رسول رحمت آمد درخطاب

باب گنج علم خود ذات قدیم کرد بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم(۲۰)

این تفسیر دو مرتبه درتهران به چاپ رسید است۔(۲۱)

٦۔دیوان صفی علیشاه:

دیوان صفی علیشاه که مشتمل بر غزلیات و قصاید و ترجیحات و مسمطات و رباعبات می باشد بجای خود از بهتریں و شور انگیز ترین آثار او محسوب می شود و بامقدمه دکتر نقی تفضلی به کوشش منصور مشفق نیز به چاپ رسیده است۔ دکتر نقی تفضلی درمقدمه دیوان می نویسد که: صفی درغزل دنباله رو سبك عراقی است که از لحن تأثیرات معاصر نیز دور نمانده غزلها وقصاید و مسمطات وترجیحات و رباعیات را صفی درخلال سیلان دیگر کارهای زندگی عرفانی خود بمناسبت حال صوفیانه و شور و جذبهٔ عارفانه میسر وده است۔ بعض غزلهای اور در حد و سطح بهترین غزلهای عرفانی است منجمله این غزل او که از نظر ترکیبات بدیع هم جالب است:(۲۲)

برده عقل و هوش از من دلبری قدح نوشی نازنین گلندامی یاسمین نبا گوشی

زیرکی زبردستی چابکی قضاشستی روز تا بشب مستی پای تا بسر هوشی

رند حیله پردازی شوخ فتنه اندازی دلفریب طنازی نذله گوی خاموشی

شاهدی کمان ابرو مهوشی مسلسل مو ریخته فروگیسو تا کمر گه از دوشی

هرکه بیند از دورش می شود بدستورش پیش چشم مخمورش عبد حلقه در گوشی

من نه خشك و خود خواهم اهل درد و آگاهم من صفی علیشاهم نی کجی علط گوشی(۲۳)

☆☆☆☆

مآخذ و پانوشتها

۱ـ نقل از " زبدة الاسرار" صفی علیشاه ، انتشارات صفی علیشاه، چاپ چهارم، ۱۳۷۲ ش، ص:۵،٦

۲ـ محجوب، محمد جعفر، طرائق الحقائق، محمد معصوم شیرازی، معصوم علیشاه، انتشارات سنائی، تهران ،۱۳٤٥ ش، جلد:۳، ص:٤٤٤

۳ـ رفیع، عبدالرفیع حقیقت، تاریخ عرفان و عارفان ایرانی، انتشارات کوش تهران، چاپ اوّل،۱۳۷اش، ص۱۹

٤ـ شرح احوال مولانا حاج میرزا حسن اصفهانی، صفی علیشاه، وحید، سال سیزدهم شماره:۱۸۸،ص:۱۰٥۹

٥ـ مشار، خان بابا، مؤلفین کتب چاپي فارسی و عربي از آغاز تا کنون، جلد۲، ص:٥۱۹ـ٥۱۷

٦ـ صفی علیشاه ، میراز حسن اصفهانی، " زبدة الاسرار،، انتشارات صفی علیشاه، چاپ چهارم،۱۳۷۲ ش، ص:۱٤

۷ـ همانجا،ص :۳٥ـ۳٤

۸ـ همانجا،ص:٤۲٥ـ٤۲٤

۹ـ گیلانی ، ضیاء الدین مولوی، بحرالحقایق، میراز حسن اصفهانی، صفی علیشاه کتابخانه سنائی، چاپ دوم،۱۳٦۳ ش،ص:ا

۱۰ـ همانجا،ص:٦

۱۱ـ همانجا،ص:۲٥

۱۲ـ همانجا،ص:۳٦ـ۳٥

۱۳ـ همانجا،ص:۱۳۲ـ۱۳۳

۱٤ـ همانجا،ص:۲۳٤

۱۵۔ همانجا،ص:۲۵۰

۱۶۔ همانجا،ص:۲۶۷۔۲۶۶

۱۷۔ همانجا،ص:۳۰٤

۱۸۔ همانجا،ص:۳۰٤

۱۹۔ همانجا،ص:۷

۲۰۔ مشفق، منصور،دیوان صفی علیشاه، صفی علیشاه، انتشارات صفی علیشاه چاپ سوم، ۱۳۷۰اش، ص: ۱٤۔۱۳

۲۱۔ مدرس، محمد علی تبریزی ، ریحانه الادب، انتشارات خیام، چاپ چهارم، ۱۳۷٤اش، جلد :۳، ص:٤٦٦

۲۲۔ مشفق ، ص:۱۵۔۱٦

۲۳۔ همانجا،ص:۵۳۔۵۲

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 34, Sr.No.93, 2013 pp 87 - 96

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد۳۴، اکتوبر۔دسمبر۲۰۱۳ء، شمارہ۹۳

نستعلیق نویسی در شبه قاره و نستعلیق نُویسانِ معروفِ لاهور

☆☆دکتر شعیب احمد،فریحه رضا☆☆

Abstract:

NASTALIQ is the easiest and the most fluent style of script writing. It has a long and strong back ground history in sub-continent. In fact Nastaliq style flurished in Indopak so that today it is National Script writing style of Pakistan. This article depicts the development of Nastaliq in sub-continent and and specially in Lahore. It also covers the main calligraphers of Lahore through the ages.

هنرِ شریفِ خوش نویسی هم مثلِ اغلبِ هنر هایِ اسلامی توسطِ ایرانیان به شبه قاره واردشد.یکی از مهمترین شیوه هایِ خوش نویسی، شیوهٔ نستعلیق است که به عنوانِ خطِ دولتی درسراسرِ پاکستان رایج است.

نستعلیق مجموعهٔ دو شیوهٔ خطاطی، نسخ و تعلیق است. یعنی این خط در نتیجهٔ اختلاطِ خط نسخ و تعلیق به وجود آمد و ایجادِ منشیان و خوش نویسانِ ایرانی است و به همین علت در جهان عرب با نامِ خطِ فارسی شناخته می شود.

☆ عضو هیئت علمی گروه فارسی دانشگاه پنجاب، لاهور، پاکستان

☆☆ دانشجوی کارشناسی ارشد دانشگاه پنجاب، لاهور، پاکستان

بعضی از منتقدان و تذکره نویسان متقدم اعتقاد دارند که در دورۀ سلطان احمد جلائر (۷۸٤ـ۸۱۳ه) میر علی تبریزی (۸۵٦ه) این خط را اختراع نمود البته حقیقت این است که شیوۀ نستعلیق پیش از این هم درمیانِ خوش نویسانِ ایرانی مشق می شد و میر علی تبریزی تنها قواعدِ نستعلیق نویسی را وضع کرد و در زمینۀ رُشد و پیش رفتِ نستعلیق نقشِ مهمی ایفا کرد.

در آغازِ کار علاوه بر میر علی تبریزی اساتیدی چون سلطان علی مشهدی (۹۳٦ه)، میرعلی هروی (۹۵۱ه)، مالك دیلمی (۹٦۹ه) و بابا شاه اصفهانی در این خط درسترسی پیدا کردند و برایِ ترویجِ این شیوه کارهای مهمی کردند. محمد تبریزی (۹۸۵ه) و میر عمادحسینی(۱۰۳٤ه) نستعلیق نویسی را به اوجِ کمال رسانیدند (طارق مسعود: ۱۹۸۱م:٦۹)

در ۱۵۲٦میلادی ظهیر الدین محمد بابر به شبه قاره حمله و رشد و لاهور راهم تاراج کرد و دورۀ عظیمِ مغول را در هند و پاکستانِ فعلی بنیان گزاری کرد. تعدادِ فوق العاده ای از هنر مندان و نقاشان و خطاطان و علما و فضلا و شعرا هم همراهِ وی بودند که تعدادِ شایانی از آنهاایرانی النسل بودند. در واقع همین موقع است که خطِ نستعلیق هم به شبه قاره راهی پیدا کرد.خودِ با برهم ذوق و قریحۀ سر شاری داشت خوشنویسی خوب بلد بود و هنر مندان و شعرا و علما را سر پرستی می نمود وهمین باعث شد که شعر و نقاشی و خطاطی روز به روز در هند و پاکستان رُشد کرد. وی مخترعِ خطِ بابری هم بود.

این هم لایقِ تذکر است که بعضی از محققان اعتقاد دارند که نستعلیق حتی قبل از دورۀ بابر هم در شبه قاره کم کم نوشته می شد (محمد اقبال بهته: ۲۰۰۷م:۹۰). سلطان علی مشهدی، ملا زاهد، شهاب الدین معمایی و زین الدین خوافی خوشنویسان معروف و مهمِ دورۀ بابری هستند.

در ایران صفویان (۱۵۲۰م) تاجِ سلطنت به سر داشتند و بنا به عقایدِ مذهبیِ خود به هنر و شعر اصلاً اعتنانمی کردند. در صورتی که در هند و پاکستان دورۀ مغول پا یه گذاری شده بود و در بار به هنر و شعر قدردانی فراوانی می کرد. به شعرا و فضلا و هنر وران

تشویق می شد وجوایز زیادی به آنها داده می شد. این هم باعث شد که هنر و هنر مندان از ایران به هند انتقال یا بند و در نتیجهٔ این مهاجرت، فرهنگِ هنری و علمیِ هند تحتِ تاثیرِ فرهنگ و هنرِ ایرانی قرار گرفت.

همایون پادشاه پسرِ ظهیر الدین محمد با بر خوشنویسانی چون عبدالصمد شیرین قلم وجعفر بیگ چغتایی نیشاپوری را از ایران همراهِ خود به هندوستان آورد. علاوه بر این ها محمود شهابی و با یزید دوری نستعلیق نویسان نام آورِ عهدِ همایونی هستند.

جلال الدین محمد اکبر بسرِ همایون نزدیك به پنجاه سال به هند حکومت داشت. وی نیز هنر دوست و علم بود. نستعلیقِ نویسانی چون عبدالصمد و میر سیدعلی، زین الدین خوافی، میر خلیل قلندر زهرائی، امین مشهدی، میر حسین کلنگی، مولانا عبدالله ترمذی مشکین قلم، نظامی قزوینی، علی چمن کشمیری، نور الله قاسم و محمد معصوم ترمذی بهکری به پرورشِ هنر خوشنویسی مشغول بودند و محضوصاً دسترسی اوفر به نستعلیق نویسی داشتند.

دورهٔ جهانگیر پادشاه ثروتمند ترین و در خشان ترین دوره در زمینهٔ نستعلیق پروری به شمار می رود. جهانگیر به هنر هایِ زیبا توجهِ خاصی داشت و محاسن و معایب شعرو نقاشی و خوشنویسی راخوب می شناخت. عبدالله حسینی معروف ترین و برجسته ترینِ استادانِ نستعلیق دورهٔ جهانگیر بود. از استادانِ دیگر این دوره مولانا عبدالله مشکین قلم، عبدالرحیم عنبرین قلم، محمد حسین کشمیری، میرزا اعظم و میرزا محمد باقر معروف اند (محمد عبدالله چغتائی: ۱۹۷۰م:۱۷۲).

شاهجهان هم به عنوانِ سر پرستِ هنر هایِ زیبا شناخته می شود ولی عرفیت وی بیشتر در ساختن ساختمان هایِ عظیم و زیبا است و به عنوانِ مهندس معروف است ولی وی در ضمنِ ترویج و تشویقِ نستعلیق هم نقشِ مهمی ایفا کرد. در نوشتنِ خطِ شکسته مهارتی کامل داشت و به عنوانِ منتقدِ خط هم معروف است.

در خوشنویسانِ خطِ نستعلیقِ این دوره می توان از عبدالحق شیرازی، امانت خان،

حکیم رکنا کاشی، عبدالرشید دیلمی، داراشکوہ، شاهد خت جهان آرا، عبدالرحمٰن فرمان نویس، محمد اشرف خواجه سرا، سعیدای گیلانی محمد اشرف، محمد افضل قریشی، خواجه تاج منشی و منشی بیج بهان نام بُرد (محمد عبداللّٰه چغتائی:۱۹۷۰م:۱۸۰)

اورنگ زیب خودش خوش نویسِ خوبی بود. کاتبِ قرآن هم بود و نستعلیق هم خوب می نوشت. برادرِ وی شاهزاده شجاع و زیب النسا دخترِ اورنگ زیب هم نستعلیق خوب می نوشتند و به عنوانِ خطاط شناخته می شدند. علاوه براینها سید علی خان الحسینی، هدایت اللّٰه، محمد اسماعیل عاقل، حافظ نوراللّٰه و عنایت اللّٰه نستعلیق نویسانِ معروفِ دورۂ اورنگ زیب هستند و بیشتر وقتِ خود را در نستعلیق نویسی صرف می کردند (محمد عبداللّٰه چغتائی: ۱۹۷۰م:۱۹۱) بعد از اورنگ زیب البته قدرِ هنر هایِ زیبا به طور کلّی و مخصوصاً نستعلیق نویسی به تدریج کا سته می شود. البته سید محمد امیر رضوی معروف به پیر پنجه کش و شاگردانش آقا میر زاد دهلوی و عباد اللّٰه دردهلی نستعلیق نویسی را ادمه دادند. آخرین شاهِ تیموری، بهادر شاه ظفر خطِ طُغریٰ و نستعلیق خوب می نوشت و دوتا شاگرد انش حافظ امیر الدین و مولانا ممتاز علی نزهت نستعلیق نویسی را زنده نگه داشتند. دو نفر دیگر عبدالرحیم و مرزا حیدر زکی هم در این دورۂ اضمحلالِ نستعلیق نویسی به شیوۂ نستعلیق خطاطی می کردند. (محمد عبدالله چغتائی: ۱۹۷٤م:۷۳)

در همین دوران سبكِ خاصیِ نستعلیق در لاهور به وجود آمد. مامی توانیم محمد افضل لاهوری را سرخیلِ این سبكِ جدید نستعلیقِ لاهوری قرار بدهیم. قاضی نعمت اللّٰه لاهوری بزرگترین مقلدو مویّد سبكِ لاهوری بود. فرخ سیّر هم به همین شیوه خطاطی می کرد.

دردورۂ انگیسی نستعلیق نویسی وخوش نویسیِ خط هایِ دیگرِ اسلامی در شبه قارۂ هندو پاکستان به بد ترین حالتِ خود رسید و زبان و فرهنگ و هنر هایِ انگلیسی رواجِ بیشتری پیدا کرد. تنها کسی که در این دوران در لاهور با کمالِ دقت و رغبت مشغولِ نشر وترویجِ نستعلیق نویسی ماند امام محمد ویردی است (شاغل: ٥٦) امام ویردی بزرگترین

مقلدِ نستعلیقِ ایرانی در لاهور بود.

اگر چه لاهور از از منهٔ قدیم مرکزِ هنر و فرهنگ بوده است و از آغاز تا امروز همیشه تجلّی و پرورش گاهِ هنر هایِ مختلف است. در زمینهٔ هنرِ خوش نویسی هم لاهور را ثانی نیست. تاریخ مراکز آموزش خوش نویسی در لاهور خیلی قدیم وقوی است در این ضمن مکاتب قلعهٔ شاهی، خانهٔ ابوالفضل، مدرسهٔ عبدالله الحسینی، مدرسهٔ مائی لاڈو، درس میاں وڈا، مدرسهٔ میانی، مدرسه خیرگڑهی شاهو، مدرسهٔ ابولاحسن تربیت مغلپوره، مدرسهٔ شیخ بهلول، مدرسهٔ ملا فاضل قادری، مدرسهٔ خواجه بهاری، مدرسهٔ عبدالرشید دیلمی، خانه و خانوادهٔ ابوالبرکات منیر لاهوری و مسجد وزیر خان خیلی مهم اند. در این مراکز علمی صد ها نفر در تحصیل علومِ دینی و مشقِ خط هایِ اسلامی مشغول بودند.

نستعلیق نویسانی چون محمد حسین کشمیری، میر فتح الله شیرازی، ملا ثمرقندی، قلیج بیگ چغتائی، عبدالله مشکین قلم، میر صالح، عبدالرحیم خانخانان، رای منوهر، راجه ٹوڈرمل، مرزا عزیز کوکل تاش، میر معصوم قند هاری، حکیم رکنا، میر دوری، نور الدین لاهوری، نور الله لاهوری، میر حسن، عبدالله الحسینی، پسرانش میر مومن و میر صالح، عمادالحسینی، عبدالرشید دیلمی، سید علی تبریزی، داراشکوه، چندربهان، سیج بهانی، ابوالفیض، ابوالفتح، محمد افضل لاهوری، فضل الدین صحاف، میرزا امام ویردی، قاضی نعمت الله لاهوری، مرز اعبادالله بیگ، هدایت الله لاهوری، پیر بخش، مولوی سید احمد ایمن آبادی، منشی عبدالغنی نتهو، مولوی محمد عبدالله وارثی، شیخ اهمد چوهڑکانی و منشی فضل االهی مرغوب در لاهور و در نواحِ لاهور خوش نویسی می کرد ند و تعدادِ شاگردانِ اینها به صدّها نفرمی رسد.

لاهور امروز هم وارث روایتِ خوش نویسی است و به عنوان مرکزِ علمی و فرهنگی و هنریِ پاکستان در تمامِ جهان شناخته می شود. خطِ رسمیِ پاکستان نستعلیق است و نوددر صد کتاب ها ور وزنامه ها و تا بلوها به شیوهٔ نستعلیق نوشته و چاپ می شود. تا سال ۱۹۸۰م در مدارسِ دولتی هم خطاطی تدریس می شد. در مدارس از کلاسِ اوّل تا

کلاسِ پنجم لوحه هایِ چوبی برایِ دانشجویان لازم بود که دانشجویان رویِ آن تمرینِ مفردات می کردند. علاوه بر مدارس دولتی، مراکز شخصی و آزاد هم به تعدادِ مناسبی وجود داشت و در آنجا خطاطان تربیت می شدند. در این ضمن پنجاب غربی خیلی معروف است. شهر هایِ عادل گره، کوٹ وارث، ایمن آباد، گجرانواله، کیلیان والا، سیالکوٹ، سوهدرا، سمبڑیال، جنڈیاله، گکھڑ، قصور و لاهور همیشه مراکزِ مهم تدریسِ خطاطی بودند و هستند، در آغازِ قرنِ نوزدهم و به آغاز قرنِ بسیتم در لاهور دَه ها مراکز خوشنویسی رو به کار بودند که بعضی از آنها به شرحِ زیراست:

۱ـ مرکزِ کتابت در چهار راهِ دالگران: در سالِ ۱۹۲۵م قاضی ظهور الدین خطاط، ایین مرکز را در لاهور بنا کرد (طارق مسعود: ۱۹۸۱م: ۱۲۱). قاضی ظهور در سالِ ۱۹۷۱م فوت کرد و انتظام وانصرام آن به عهدهٔ شاگرد و دامادِ وی اقبال اختر رسید، خوش نویسانِ معروف چون شفیع انور، شهاب الدین، عبدالرشید خاکی، محمد صادق و حافظ نذیر احمد فارغ التحصیلانِ این مرکز اند.

۲ـ تهڑاکاتبان: در داخلِ موچی دروازه، در کوچه ای، خطاطی با نامِ صابر کاتب این مرکز را اداره می کرد و بعداً این کوچه به همین علت با نامِ کو چهٔ خطاطان معروف گشت، چهار تا پسر داشت که همه نستعلیق خوب می نوشتند.

۳ـ ڈیره کاتبان: سید احمد ایمن آبادی که معاصرِ امام ویردی بود اینجا خوشنویسی تدریس می کرد. حکیم مراد بخش چغتائی، ملك علی محمد، منشی محمد افضل، غلام محمد، غلام نبی و رحمت خان به این مرکز وابسته بودند.

٤ـ مرغوب ایجنسی: منشی فضل الهٰی مرغوب مسؤلِ این اداره بود. چاپ خانهٔ کوچکی را هم اداره می کرد. این جا هم به عنوانِ تدریس خوش نویسی معروف بود. مرغوب رقم در ۱۹۱٦م فوت کرد (طارق مسعود: ۱۹۸۱م: ۱٤۷)

٥ـ مدرسه تحسین الحظوط: خطاطِ معروفِ معاصر حافظ محمد یوسف سدیدی (۱۹۲۷ـ ۱۹۸٦م) این مدرسه را بنا گذاشت. به فارغ التحصیلانِ این مدرسه مدارك هم داده می شد.

خالد جاوید یوسفی، ظهور ناظم، علی احمد بهته، رشید بٹ، محمد یوسف چوهدری، محمد اسلم ساغر، محمد اقبال یوسفی، علی احمد صابرچشتی، عبدالرحمٰن بی کام، عبدالرحمٰن و محمد یوسف بهٹه فارغ التحصیلانِ این مدرسه هستند.

٦ـ نگارستان ایجنسی: درآنجا استاد پروین رقم (١٩٠١ـ١٩٤٦م) استادِ معروفِ نستعلیق و خالقِ شیوهٔ نستعلیقِ پروینی، به دانشجویان هنرِ خطاطی می آموخت ـ محمدیعقوب و غلام رسول و حاجی محمد اعظم منور رقم هم انجا تشریف برده خوش نویسی یا دمی گرفتند .

٧ـ بیٹھك کاتبان: خطاط الملك استاد تاج الدین زرّین رقم (دـ١٩٥٥م) در این جا تربیتِ خطاطانِ نو آموز را آغاز کرد و تا حدودِ نیم قرن با خطاطی و خطاطان مشغول ماند. وی استادِ نستعلیق بود و شاگردانِ زیادی داشت که از اطراف و اکنافِ کشور و از خارج هم برای کسبِ این هنر شریف خدمتِ وی می رسیدند. خودِ وی شاگردِ حاجی نور احمد بود. کتابی هم با نامِ "مرقعّ زریّن" برای مبتدیان به جای گذاشت.

فعلاً این مرکز تحتِ نظارتِ دولتِ استانِ پنجاب کارمی کند و امروز هایك مدرسهٔ دولتی خوش نویسی در این جا رو به کار است ـ در مراحلِ مختلف مدرك هم داده می شود. مسؤلیتِ این مرکز به عهدهٔ صوفی خورشید عالم بود و بعد از رحلتش (دـ٢٠٠٤م) به عهدهٔ محمد سلیم بن زرین رقم رسید.

درخشان ترین و پرثمر ترین دورهٔ خوش نویسی در لاهور را می توانیم از ربعِ اوّلِ قرن بیستم بشماریم. استادانِ بی بدیل و خوش نویسانِ صاحب سبك در قرنِ بیستم به آسمانِ هنرِ خوش نویسی محضوصاً نستعلیق در خشیدند. عبدالمجید پروین رقم یکی از آن ستارگانِ آسمانِ خوش نویسی است که در نستعلیق بنایِ سبكِ لاهوری گذاشت و این سبكِ جدیدی نه تنها در پاکستان بلکه در سراسرِ دنیا موردِ پسند عوام و خواص قرار گرفت. پروین رقم از حافظ نورالله و مولوی سید احمد استفادهٔ سر شاری کرده بود و اضافات و اجتهادات در روشنِ امام ویردی کرد. در قلمِ جلی و خفی هیچ کسی نمی تواند باوی همسری کند (محمد راشد شیخ: ١٩٩٨م: ٢١١)

استاد دیگری در زمینهٔ سبكِ نستعلیق لاهوری، تاج الدین زرین رقم(د.١٩٥٥) معاصر و دوستِ نزدیکیِ پروین رقم بود. تاج الدین زرین رقم هم به سبكِ پروینی می نوشت.

در قرنِ بیستم لاهورتنها شهری بود در شبه قارهٔ هند و پاکستان که افقِ خوش نویسی را در این زمین منور می کرد. در این دوران در لاهور خوشنویسی رشدکرد و مراکز واداره هایِ متعددی بناشد که تابه امروز مشغولِ تربیت خطاطان و تدریسِ هنرِ خوشنویسی هستند. در زیر نگاهی به این مراکز می کنیم.

۱ـ افضل الکتابت: به عنوانِ مرکز فروغ و تدوین خطاطی در اردو بازار لاهور کار می کند. شیخ فضل الرحمٰن در ۱۹٤۷م این مرکز را بنیان گزاری کرد. علاوه بر تدریسِ خطاطی ابزار هایِ خوش نویسی هم به اینجا به دست می رسد.

۲ـ دایرۂ نفائس الحظوط: در سال ۱۹٤۸م توسطِ استادِ نستعلیق سید انور حسین نفیس رقم این مرکز در فیصل آباد کار را آغاز کرد و در سالِ ۱۹٥٤م به لاهور انتقال داده شد. بیش ازنیم قرن است که این مرکز در شهرِ لاهور در ترویج و اشاعتِ هنرِ خطاطی مشغول است.

۳ـ بیٹھك کاتبان: دربارهٔ این مرکز قبلاً توضیح داده شده است.

٤ـ سدیدیه دارلکتابت: عبدالرحمٰن خوشنویس این مرکز را اجرامی کند. عبدالرحمٰن شاگردِ حافظ محمد یوسف سدیدی است و به همین نسبت اسمِ این مرکز " سیدید یه " گذاشته است.

٥ـ الخطاط اسلامی آرٹ گیلری: این گالری در ۱۹٤۰م پایه گزاری شد و در هال روڈ رو به کار است. تا به حال صد ها نفر از اینجا فارغ التحصیل شده در روز نامه هایِ مختلف مشغولِ کا ر خطاطی هستند. این گالری یك نمایشگاهِ مستقلی است که در آن هنر پاره های استاد عبدالواحد نادر القلم و پسرش منور الاسلام به نمایش گذاشته شده است. عبدالوحد نا در القلم (۱۹۲۲م) موسسِ این گالری است. تحتِ نظارتِ این مرکز سالیانه نمایشِ بین المللی هم برگزار می شود.

٦ـ نفیس دارالکتابت: موسس این مرکزِ خوشنویسی منظور انور است. منظور انور یکی از برجسته ترین شاگردانِ خورشید عالم خورشید رقم است در سالِ ۱۹۷٥م این مرکز در موری گیٹ تاسیس شدولی امروز ها در اردو بازار انتقال یافته آنجا کار می کند. (محمداقبال بھٹہ: ۲۰۰۷م: ۹۱۹۱)

۷ـ ایوانِ خطاطانِ پاکستان: در سالِ ۱۹۷۵م سید محمد اکرام الحق بنایِ این مرکز نهاد. در سالِ ۱۹۷۸م این اداره نمایشِ بین المللی برگزارکرد و یك کنگره هم ترتیب داده شد که منتقدان و هنروران محلی در آن مقاله ها خواندند.

۸ـ گوهر خطاطی اکیڈمی: اکادمی در ۱۹۸۱م در اچهره، لاهور آغازِ کار کرد ولی امروز ها در مزنگ لاهور رو به کار است. بانی و سر پرستِ اکادمی خورشید عالم گوهر قلم (۱۹۵٦م)است. خورشید گوهر قلم نویسندهٔ چیره دست است و به موضوعاتِ متعددی آثارِ گران قدری به جای گذاشته است. مدال فضلیت از ریاستِ پاکستان یافت و مشغولِ تدریس و تمرین هنرِ خوش نویسی است.

۹ـ خانهٔ فرهنگِ جمهوری اسلامی ایران: این مرکز از ۱۹۸۵م کلا سهایِ خطاطی بر گزار می کند. تا سالِ ۱۹۹۰م استاد نادر القلم به دانشجویان اسرار و رموزِ خطاطی یا دمی داد. بعداً استادانِ متعددی این کلا سهارا در آنجا ادامه دادند این کلاسها امروز هم در خانهٔ فرهنگ تدریس می شود.

من حیث الجموع هنرِ خوش نویسی در پنجاه سالِ اخیر در لاهور خیلی رشد کرد و روز به روز رو به کمال است. خوش نویسانِ نستعلیقِ لاهوری در تعدادِ زیادی رو به کاراند اکثرِ خوش نویسان که امروزها در این زمینه کار می کنند شاگردانِ فضل الهی مرغوب رقم، عبدالغنی شیرین رقم، حاجی دین محمد لاهوری، عبدالمجید پروین رقم، تاج الدین زرین رقم، محمد صدیق الماس رقم، سید انور حسین نفیس رقم، حافظ محمد یوسف سدیدی و صوفی خورشید عالم خورشید رقم هستند. (ابن کلیم: ۱۹۷۷م:۱۹۱)

حافظ محمد یوسف سدیدی و صوفی خورشید عالم خورشید رقم از شاگردان تاج الدّین زرین رقم هستند وی خطاطِ هفت قلم بود. امروز ها تمامِ خوش نویسان که در لاهور و نواحیِ لاهور خطاطی می کنند از شاگردانِ همین بزرگوار هستند و هریکی از این ها راه و روش خاصی دارد.

درمیانِ شاگردانِ صوفی خورشید عالم خورشید رقم، محمد اکرام الحق، محمد صدیق گلزار،غلام رسول،محمد اقبال، منظور انور، رضی الدین، بهارِ مصطفیٰ، واجد محمود

یا قوت رقم، محمد اقبال بهٹه و امداد الحق مهم اند.

درمیانِ شاگردانِ سید انور حسین نفیس رقم، عبدالستار نیازی، اصغر انیس، انور حسین، طالب حسین، عبدالرشید، محمد جمیل حسن، الهیٰ بخش مطیع و انیس الحسن لایقِ تذکراند.

استاد صدیق الماس رقم هم شاگردانِ متعددی را تربیت کرد که محمود احمد، جمیل احمد تنویر رقم، محمد صدیق، خواجه محمد شفیع و مشتاق احمد بهٹه مهم اند.

خوشنویس معروفِ معاصر خورشید عالم گوهر قلم شاگردِ حافظ محمد یوسف سدیدی است. شریف گلزار، ظهور کاظمی، شاهد گلزار ابن شریف گلزار هم خطاطانِ معاصر لاهور هستند. محمد بخش جمیل رقم، چوهدری محمد صدیق، منشی فضل الهٰی، ملك علی محمد عبدالواحد نادر القلم، محمد عرفان، محمد عارف و محمد علی زاهد خوش نویسانِ برجستهٔ لاهور هستند و تعدادِ زیادی از دانشجویان را تربیت کرده اند.

دانشکدهٔ ملّی هنر هایِ زیبا (N.C.A) و دانشگاهِ پنجاب هم کلاسهایِ خوش نویسی شروع کرده است و هر سال دانشجویانِ زیادی در این زمینه فارغ التحصیل می شوند.

کتابشناسی:

۱۔ طارق مسعود، مرقعِ خط، لاهور عجائب گهر، لاهور، ۱۹۸۱م.

۲۔ محمد اقبال بهته، دکتر، لاهور اور فن خطاطی، علم و عرفان پبلشرز، لاهور،۲۰۰۷م.

۳۔ چغتائی، محمد عبدالله، سر گذشتِ خطِ نستعلیق، کتاب خانهٔ نورس، لاهور،۱۹۷۰م.

٤۔ همو، پاك و هند میں خطِ نستعلیق، کتاب خانهٔ نورس، لاهور، ۱۹۷٤م.

٥۔ همو، پاك و هند میں اسلامی خطاطی، کتاب خانهٔ نورس، لاهور، ۱۹۷٤م.

٦۔ شاغل، صحیفهٔ خوش نویسان، انجمن ترقی اردو ، علی گڑه، هندوستان.

۷۔ محمد راشد شیخ، تذکرهٔ خطاطین، ادارهٔ علم و فن، کراچی، ۱۹۹۸م.

۸۔ ابنِ کلیم، تاریخِ فن خطاطی، ملتان، ۱۹۷۷م.

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.93, 2013, pp 97 - 108

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد۳۴، اکتوبر۔دسمبر۲۰۱۳ء، شمارہ۹۳

پنجاب دے صوفیاں دا پیغام

پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد☆

Abstract:

The land of Punjab is known for its fertility not only agricultural but also cerebral. The role of Sufis in richness of the land culturally, religiously and morally is of much significance. The God-fearing Sufis dedicated their lives for the peaceful message of Islam. Their services in paving the way for a harmonious society are equally acknowledged by the Muslims and non-Muslims. Away from bigotry of any sort, they embraced all regardless of caste and creed and taught them the lesson of forgiveness, forbearance, harmony and finally to stand firm against forces of evil and oppression. They educated the locals through their writing especially verse. Their poetic composition is so close to hearts of the people that they relish it again and again in their daily conversation.

پنجاب دی دھرتی ایس گلوں بڑی بھاگاں والی اے کہ ایہہ شروع توں ای جتھے اپنی زراعت دے حوالے نال ہمیشہ ذرخیز رہی اے اوتھے ون سوّنیاں تعمیری سوچاں تے فکراں رکھن والے سوجھواناں نوں وی جنم دیندی آئی اے۔ ایہہ ساڈی ہور وی خوشی بختی اے کہ اجیہے سوجھواناں وچ بوہتے صوفی، درویش تے خدامست شامل رہے جیہناں نے ایتھوں دی لوکائی دی فکری رہنمائی

☆ ڈین، کلیہ علوم شرقیہ، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور

لئی اپنیاں زندگیاں وقف کیتی رکھیاں۔حقیقت تے ایہہ وے کہ اج اسیں اجیہے درویشاں ، بھگتاں تے اللہ والیاں دے سرصدقے ای امن چین دا ساہ لین دے نال نال حیاتی دے ون سونے رنگ مان رہے آں۔علامہ اقبال نے حیاتی دے ایسے پہلونوں مُکھ رکھدیاں ہویاں حضرت داتا گنج بخشؒ دے حوالے نال آ لکھیا سی:

خاکِ پنجاب از دمِ اُو زندہ گشت
صبحِ ما از مہرِ اُو تابندہ گشت

تے ایسے پکھوں وارث شاہ نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ دیاں مذہبی، اخلاقی تے سماجی خدمتاں نوں سلامی پیش کر دیاں آ کھیا سی:

ع شکر گنج نے آن مکان کیتا دُکھ درد پنجاب دا دور ہے جی(1)

پنجاب دے ایہناں صوفیاں دی فکر ساڈا اوہ اثاثہ اے جیہڑا ہر دور اندر حیاتی دے ہر معاملے وچ ساڈی رہنمائی کردا آیا اے تے اگوں وی کردار رہوے گا۔ایہناں پاکبازاں دی حیاتی تے فکر دا مجموعی مطالعہ جیہڑے اہم نکتے سامنے لیاندا اے اوہناں وچوں سب توں پہلی گل تے ایہہ اے کہ صوفیاء نے اُمتِ محمدیہؐ نوں بیدار تے توانا رکھن لئی لگاتار جدوجہد اُتے زور دتا اے۔سُستی ، بے کاری تے بے مقصد زندگی اوہناں دے نزدیک موت دے برابر اے۔اوہناں نے ہمیشہ ملّت دی بیداری لئی بیدار ذہن تے فکر دی بیداری دی تبلیغ کیتی۔حضرت داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب وچ فرماندے نیں کہ مرید واسطے نیند دی شرط ایہہ اے کہ اوہ اپنی پہلی نیندنوں اپنی عمر دی آخری نیند جانے۔گناہواں توں بچے تے دنیاوی کم وی ٹھیک رکھے تے سون توں پہلے ایہہ عہد کرے کہ جے اوہنوں جاگ کے حیاتی گزارن دا موقع ملیا تے فیر اوہ گناہواں ول پرت کے نہیں جاوے گا۔(2)

صوفیاء ہمیشہ زندہ معاشریاں دی اک زندہ علامت ہوندے نیں۔اوہ اپنی تربیت نال اک خود دار یعنی انکھی بندے تے انکھی سماج نوں جنم دیندے نیں جیہدے نال سماج وچ فلاح تے اصلاح دے رویے اگے ودھدے نیں۔ایہناں روّیاں وچوں اک روّیہ سوال دی مناہی اے۔داتا صاحبؒ دے بقول کسے دنیادار نے حضرت رابعہ بصریؒ نوں آ کھیا۔میرے کولوں کجھ منگ لئو ۔

اوہناں اگوں جواب دتا، میں تے پہلے ای خدا دے فضل وچ ایس طرح مستغرق آں کہ مینوں تے اپنے مالک اگے سوال کر دیاں وی شرم آندی اے تے کیہ تیرے ورگے دنیادارتوں منگدے شرم نہیں آوے گی؟(3) خودی، انکھ تے خودداری دا ایہو گُن زندہ قوماں دی پچھان ہوندا اے تے ایسے دی اج سانوں کیہ پورے عالم اسلام نوں لوڑ اے، کیوں جے جیہڑا خدا توں منگدا اے اوہ ہور کسے کولوں نہیں منگدا تے جیہڑا خدا توں نہیں منگدا، اوہ دِھر دِھر توں منگدا اے۔ ایس دِھر دِھر وچ سامراجی تے استحصالی قوتاں وی آ جاندیاں نیں جیہناں نال اج سانوں ساریاں نوں واہ اے۔

ایس دھر دھر توں جے جان چھڈاسکدا اے تے صوفیا دا اوہ نظریہ توحید اے جیہڑا اوہناں دی سوچ دا اوّل آخر مرکز اے۔ ایس کائنات دے انساناں نوں سدھی راہ وکھان لئی جنے وی نبی تشریف لیائے اوہناں دی تعلیمات دا بنیادی نکتہ ای کلمہ توحید سی۔ ایسے لئی سرکار دو عالم ﷺ نے وی کلمہ توحید دی اہمیت اُتے زور دیندیاں فرمایا سی کہ میں اوس ویلے تک لوکاں نال جہاد کراں گا جدوں تک اوہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ دا اقرار نہ کر لین۔ ایس حدیث قدسی توں وی کلمہ توحید دی اہمیت صاف واضح ہوندی اے:

لَو اِن السَّمَوَاتِ السَّبۡعَ وَعَامِرَ هُنَّ غَيۡرِی وَلَا رُفِيۡنَ السَّبۡعَ وَضِعۡنَ فِی كَفَّةٍ وَلَا اِلٰهَ اِلّااللّٰهُ فِیۡ كَفَّتِهٖ لَمالَتۡ بِهِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

یعنی جے ست آسمان، ست زمیناں تے جو کجھ ایہناں دے وچکار ہے ایہناں ساریاں نوں تکڑی دے اک پلے وچ پا لیا جائے تے دوجے پلڑے وچ کلمہ توحید رکھ دتا جائے تے کلمے والا پلڑا بھارا ہووے گا۔

بقول حضرت مجدد الف ثانی اللہؒ دے غضب نوں ٹھنڈا کرن لئی کلمہ توحید توں ودھ کے کوئی ہور شے نہیں:

''ہیچ چیزے در تسکین غضبِ رب جل سلطانہٗ از یں کلمہ طیب نافع تر نیست۔''(4)

کلمہ توحید دی برکت نال نہ صرف انسان خود اعلیٰ مقام حاصل کر لیندا اے۔ سگوں ایہدی حقیقت سمجھ لین نال دنیاوی سہاریاں تے جھوٹھے خداواں توں وی بے نیاز ہو کے سکون دی دولت نال مالا مال ہو جاندا اے۔ صوفیاء معاشرے وچ لوکائی نوں جھوٹے تے عارضی سہاریاں تے ہر قسم

دے ڈر خوف توں نجات دوا کے اک مکمل، مضبوط تے ہمیشہ دے سہارے نال روشناس کروا دیندے نیں۔ بقول حضرت نوشہ گنج بخشؒ:

نہ کوئی خوف نہ ڈر

نوشہ کلمہ حضرت دا بھر(5)

کلمہ پونجی فقر دی ہور کلمے دی آس

نوشہ کلمہ آکھیاں رہیا نہ خوف ہراس (6)

بقول سلطان باہوؒ:

کلمے جیہی کوئی نہ نعمت باہو اندر دوہیں سرائیں ہُو(7)

اک زمانہ سی کہ اسیں اپنی مار کے کھانے ساں۔ ایسے لئی وارث شاہ تے اقبال دے لفظاں وچ اسیں شاہین (باز) ساں، جیہڑا مردار نہیں کھاندا، سگوں اپنی محنت نال اپنا شکار خود لبھدا تے کردا اے۔ جدوں قوماں سُستی، بے عملی، جہالت تے ہتھاں اُتے ہتھ رکھ کے بہہ رہن دیاں عادی ہو جان تے فیر باز گر جھاں دے مرتبے توں وی تھلے ڈگ جاندے نیں۔ بیٹھلی اُپر آ جاندی اے تے سید وارث شاہ ورگے صوفی تے عظیم شاعر نوں ایہہ کہنا پے جاندا اے:

تینوں رب شہباز بنایا سی بنیوں کرتاں نال توں اِل آپے

اساں اِل دے اِل رہنا ایں یا مڑ غور فکر کر کے اپنے اندر دے شہباز نوں غیرت دوا کے میدان وچ لیانا اے، ایہہ فیصلہ کل نہیں سانوں اج کرنا پوے گا۔ کیوں جے کل کال داناں تے اج حال داناں اے، تے حال نوں اسیں کیویں سنوار سکنے آں؟ ایہدے لئی رل کے سوچن، سیاسی دکانداریاں نوں اک پاسے سٹ کے، رنگ نسل علاقے، زباناں، لہجے، فرقے تے ذاتی لوڑاں تھوڑاں دی تھاں ملکی، قومی تے ملی مفاد وچ خوش حال تے روشن خیال معاشرے دی نینہہ رکھن دی لوڑ اے، اوہ معاشرہ جیہدے وچ انصاف، بھائی چارہ، محبت، بے لوث خدمت، الفت، تعلیم، اپنی شناخت تے دوجے دی حیثیت سہانن دا بھرواں چانن ہووے۔

ماضی قریب ایس گل دا گواہ اے کہ جدوں توں ایہناں قدراں توں مُکھ موڑیا گیا اے اودوں توں ای پوری دنیا وچ قوماں ہوچھے پن دا شکار ہو رہیاں نیں۔ غریب قوماں اپنی محرومیاں دا

بدلہ لین لئی وڈیاں نال کھیہہ بکھیہہ تے وڈیاں طاقتاں، استحصال تے لٹ لٹیئے کرن دے نال نال اپنے وجود دی بقاء دے خوف ہتھوں سامنے والی ہر شے نوں ملیا میٹ کر دین اُتے تُلیاں ہویاں نیں۔ ایس پورے سنیر یو وچ ساڈے صوفیاں دا حوصلہ، ہمت، بردباری تے برداشت دا پیغام ای ٹھل پا سکدا اے۔ بابا فریدؒ نے فرمایا سی:

فریدا جو تیں مارن مُکیاں تنہاں نہ ماریں گھُم
اپنے گھر جایئے پیر تنہاں دے چُم (8)

بلھے شاہؒ نے آکھیا سی:

عاشق ہویوں رب دا ، ملامت ہوئی آ لاکھ
لوک کافر کافر آکھدے توں آہو آہو آکھ (9)

ساڈے صوفیاں نے ایس حقیقت اُتے کھُل کے روشنی پائی اے کہ دنیا دی حیاتی بڑی احتیاط نال گزارن دی لوڑ اے۔ کیوں جے اگلی دنیا دا دارومدار وی ایسے اُتے اے۔ ایہہ نعمت اکو واری لبھنی اے دوجی وار نہیں۔ داتا صاحبؒ دے پیر حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الخُتلیؒ فرماندے نیں۔ ''دنیا اک دن دی اے تے ایہدے وچ ساڈا روزہ اے''۔ جے ایہہ گل پوری طرح اج دے انساناں نوں سمجھ آ جاوے تے نالے ایہدے اُتے عمل شروع ہو جاوے تے ادھے دُکھ درد بغیر کسے قانون دے نافذ کیتیاں اپنے آپ مُک مُکا جان، تے دوجی گل ایہہ اے کہ صوفیاء نے اپنے دُکھ نوں بھُل کے سماج دے سانجھے دُکھ نوں محسوس کرن اُتے زور دتا اے۔ جیہدے نال انسان نہ صرف اپنا دُکھ بھل جاندا اے سگوں دوجیاں دے دُکھ درد وچ شریک ہو کے عجیب طرح دی راحت مانن دا عادی ہو جاندا اے۔ بابا فرید گنج شکرؒ نے ایسے لئی فرمایا سی:

فریدا میں جانیا دُکھ مجھ کوں دُکھ سبھا ایہہ جگ
اُچے چڑھ کے دیکھیا تاں گھر گھر ایہا اگ (10)

گویا صوفی اک دوجے دے دُکھ درد وچ شریک ہون دا پیغام دیندے نیں۔

صوفی ہمیشہ طبقاتی قدراں تے استحصالی طبقے دے خلاف پچھڑے ہوئے عوام دا حمایتی

ہوندا اے۔ اوہ اوہناں نوں حوصلہ تے صبر نال حالات اُتے قابو پان دا درس دیندا اے۔ جدوں کہ ہر طرح دی آسائش مانن والا حکمران طبقہ تقدیر یا قسمت دے لفظ دا سہارا لے کے سادہ لوح عوام نوں عاجزی، انکساری تے دنیا توں لاتعلقی دا رجحان دے کے اوہنوں اپنے جائز تے فطری حقاں توں تیاگی ہون دی راہ وکھان دا چارا کردا اے۔ ایہدی سیاسی آڑ وچ کدی صوفی کونسلاں تے کدی انسان دوست ورگیاں اصطلاحواں گھڑیاں جاندیاں نیں۔ ظلم تے ایہہ اے کہ ایہہ طبقہ اوہناں نوں ای اپنا سمجھدا اے جیہناں دا خون چوسدا اے۔ جدوں کہ اج توں ڈھائی صدیاں پہلے وارث شاہ نے صاف آکھیا سی کہ ایہہ کوئی پھوی دی قسمت وچ تے نہیں لکھیا ہویا کہ اوہ ہمیشہ شیر دا ای شکار بنے۔ ایہہ ویلے دا ظلم اے جیہنوں تقدیر یا قسمت دے ناں تے روا نہیں رکھیا جاسکدا۔

اج دنیا اک گلوبل ویلج بندی جا رہی اے تے وڈیاں طاقتاں ایس ویلج دی مستقل چودھراہٹ لئی کمزور تے لسیاں قوماں دے وسائل اُتے آنے بہانے قبضہ جمان دیاں پالیسیاں تے عمل کر رہیاں نیں، جدوں کہ بابا فریدؒ دے لفظاں وچ اج دُنیا دیاں اوہناں وڈیاں استحصالی قوتاں نوں ایہہ گل ذہن وچ رکھنی چاہیدی اے کہ:

کندھی اُتے رُکھڑا کچرک بنھے دِھیر
فریدا کچے بھانڈے رکھیے کچر تائیں نیر (11)

یعنی جیویں ندی کنارے رُکھ دیاں جڑاں اخیر ندی دا پانی ہی خالی کر کے اک دن اوہنوں وگدے پانی وچ سٹ دیندا اے ایسے طرح ظلم دے کچے بھانڈے وچ زیادہ دیر تک صبر دا پانی قید نہیں رکھیا جاسکدا۔ اوہ پانی خود ای کچے بھانڈے نوں کھور چھڈ دا اے۔ انج نہ ظلم رہندا اے تے نہ ظالم۔ اج پوری دنیا گنتی دیاں کجھ قوتاں دے ظالم پنجیاں وچ پھس کے رہ گئی اے جیہڑیاں ماڑیاں دا خون وی چوسدیاں نیں تے اوہناں نوں ایس قابل وی نہیں رہن دیندیاں کہ اوہ دُکھ دا اظہار ای کرسکن۔ اوہ اندر ای اندر کڑھدیاں تے آپس وچ کھیہہ بہ کھیہہ دا شکار نیں۔ چنانچہ ایس پورے منظر نامے وچ امن، پیار، شانتی تے میل ورتن دے اوس درس نال سماج نوں سنوارن دی لوڑ اے جیہڑا ساڈے صوفیاں دی حیاتی دا نچوڑ اے تے اوہ حضرت نوشہ گنج بخش دے کول ایہہ اے:

درویشی کل خیر پیارے درویشی کل خیر
نہ درویشاں بغض بخیلی نہ درویشاں ویر (12)

ساڈے صوفیاں نے تصوف دی جس اسلامی روایت نوں مضبوطی نال اگے ودھایا اوہدے وچ نہ تے ظلم کرن والے حاکماں دی ہمنوائی اے تے نہ ای دربار سرکار دے اشاریاں اُتے پلن والی خشک مُلایت نوں کوئی دخل حاصل اے۔ سگوں صوفیاں نے ہر طرح دی فرقہ بندی توں اُچیاں ہو کے انسانیت دے گھیرے نوں موکلا کیتا اے جیہدے وچ انساناں نال بغیر کسے تعصب دے پیار کیتا جاندا اے۔ تعصب اودوں آ ؤندا اے جدوں لالچ سر چکدا اے۔ تصوف دا پہلا تے آخری سبق ای لالچ تے لوبھ نوں تیاگنا اے۔ جے رب دی عبادت وی کرنی اے تے فیر وی جنت دی طلب تے دوزخ توں رہائی دی اُمید توں بالاتر ہو کے صرف ذاتِ حق دی رضا لئی کرنی اے۔ جے دنیا وچ کسے بندے نال تعلق رکھنا اے تاں وی کسے نفع نقصان توں اُچیاں ہو کے صوفی دوجے دیاں خوشیاں نوں مقدم جاندا اے۔ اوہ دوجیاں نوں ہسدا ویکھ کے خوش ہوندا اے۔ اوہ دوجے دے دُکھ درد نوں اپنا دُکھ درد جان کے محسوس کردا اے۔ ایسے لئی تاں میاں محمد بخشؒ نے فرمایا سی:

دُکھ سدا سُکھ گاہ بگاہاں دُکھاں توں سُکھ وارے
درد قبول محمد بخشا راضی رہن پیارے

صوفی اپنی مٹی نال احترام دی حد تیک محبت کردا وی اے تے ایہدے نال محبت کرنا سکھاندا وی اے۔ ایس کرکے وی کہ اوہدا خمیر ایسے وچوں اُٹھیا اے تے ایس کرکے وی کہ ایہو اوہدا آخری ٹھکانا اے، جتھے جا کے اوہنے ابدی نیندر سونا اے۔ جدوں بابا فریدؒ آکھدے نیں:

فریدا خاک نہ نندیئے ، خاکو جیڈ نہ کوءِ
جیوندیاں پیراں تلے ، مویاں اُپر ہوءِ (13)

تے اوہ انسانی جیون دے عروج و زوال دی ساری داستان، ساری کتھا اکھیاں سا ہویں کھول کے دھر دیندے نیں۔ انسان دیاں اکھاں اگوں ''میں'' دا جالا لہہ جاندا اے۔ اوہنوں اپنی حیاتی دی حقیقت سمجھ آ جاندی اے۔ انج اوہ اک پاسے اپنے فانی ہون دی رمزنوں پالیندا اے تے دوجے پاسے اپنے عمل دی شمع اک پیغام دی صورت روشن کر کے چورا ہے وچ رکھ جاندا اے تاں جے ہر پاسیوں آن والے جہالت دے ہنیرے توں بچ جان۔ ایسے سلسلے وچ شاہ حسین فرماندے نیں:

ووکیہ آ کڑ آ کڑ چلنا
کھا خوراکاں ، پہن پوشاکاں، جم دا بکرا پلنا
ساڈے تن ہتھ ملکھ تساڈا، جُوہ پرائی ملنا
کہے حسین فقیر سائیں دا ، انت خاک وچ رلنا(14)

سلطان باہوؒ نے آ کھیا سی:

ادھی لعنت دنیا تائیں ساری دنیا داراں ہُو
جیں راہ صاحب دے خرچ نہ کیتی لین غضب دیاں ماراں ہُو (15)

پڑھیا علم تے ودھی مغروری عقل بھی گیا تلوہاں ہُو
بھُلا راہ ہدایت والا نفع نہ کیتا دوہاں ہُو (16)

صوفی دا کم جتھے لوکاں نوں سدھی راہ وکھانا اے اوتھے اوہ جھوٹھ تے منافقت دے منہ توں پوری بے باکی نال پردہ لاہن دا درس وی دیندا اے۔ جیویں بلھے شاہؒ دے کلام وچ ایہدے کئی حوالے موجود نہیں:

مُلاں تے مشالچی دوہاں اِکو چِت
لوکاں کردے چاننا آپ ہنیرے نِت (17)

پڑھ پڑھ مسئلے پیا سناویں
کھانا شک شبھے دا کھاویں
دسیں ہور تے ہور کماویں
اندر کھوٹ ، باہر سچیار
علموں بس کریں او یار (18)

ایتھے اک ہور اہم نکتہ ایہہ اے کہ مٹی توں مراد صوفیا دیس دی مٹی وی لیندے نیں تے

اوہدے نال پیار کرنا سکھاندے نیں۔ ایسے لئی مغلاں دے آخری عہد وچ نادر شاہ تے احمد شاہ دے حملیاں ویلے علی حیدر ملتانی دیس دا امن امان خراب کرن والیاں دے خلاف کُرلا اُٹھدا اے:

ب: بھی زہر جو کھا مرن کجھ شرم نہیں ہندوستانیاں نوں
کہیا حیا ایہناں راجیاں کجھ لج نہیں تورانیاں نوں
بھیڑے بھر بھر دیون خزانے فارسیاں نوں خراسانیاں نوں (19)

ایسے طرح فرد فقیر آکھدا اے:

حاکم ہوئے بہن غلیچے بہتا ظلم کماندے
محنتیاں نوں کمیں آکھن خون اوہناں دا کھاندے
پھڑ وگیاری لے لے جاون خوف خدا دا ناہیں
فرد فقیرا درد منداں دیاں اک دن پوسن آہیں (20)

نفسا نفسی، آپا دھاپی دا ماحول استحصالی معاشرے دی دین ہوندا اے۔ جیہدے نال مایوسی پھیلدی اے۔ اجیہے ماحول وچ صوفی ہمیشہ آس اُمید دا دیوا بال کے لوکائی نوں مایوسی دے ماحول وچوں کڈھن دا درس دیندے نیں۔ جیویں ہاشم شاہ فرماندے نیں:

اکسے تار بہار نہ رہندی ، نہ اکسے طور زماناں
ہر دن چال نہیں البیلی ، نہیں ہر دم زور جواناں
روون سوگ ہمیش نہ ہووے، نہیں نت نت راگ شہاناں
ہاشم بیٹھ گئیاں لکھ ڈاراں، ایہہ جگت مسافر خاناں (21)

ایسے طرح خواجہ غلام فریدؒ اپنے وطن دیاں بہاراں نوں آپ قائم رکھن لئی نواب صادق محمد خاں نوں ہدایت کردیاں آکھدے نیں:

اپنے مُلک کوں آپ وساتوں
پُٹ انگریزی تھانے (22)

صوفیا انسان نوں انسان دے نیڑے کردے نیں۔ میاں محمد بخشؒ فرماندے نیں:

اوکھے ویلے کاری آوے بھلیاں دی اشنائی
اڑیا آکھن دی لج پالن جو انسان وفائی

صوفی، ڈیڑھ ڈیڑھ اٹ دی وکھری وکھری مسیت بنان دی کدے حمایت نہیں کردے سگوں اوہ ''سب اکو رنگ کپاہیں دا'' کہہ کے سماج وچ وحدت تے ایکتا دے تصورنوں عام کردے نیں۔ ہر قسم دے لالچ تے تعصب توں پاک تے صاف ایہو سوچ اج دے ہنیرے وچ ودھیرے جانن دا کارن اے پر ایہہ چانن اپنے آل دوالے نوں اپنی ہوند دا احساس اودوں ای دواوے گا جدوں لوکائی ایس چانن ول ہتھ ودھاوے گی یا ایس چانن نوں اپنے ول آون لئی راہ دیوے گی۔

مجموعی طور تے ویکھیا جاوے تے صوفیانہ سوچ تے پیغام دے نتیجے وچ وجود وچ آون والی کائنات جنت دا سوہنا تے من کھچواں روپ سروپ بن جاندی اے جتھے چارے پاسے سُکھ ای سُکھ، ہر پاسے انصاف ای انصاف، نہ کوئی جھگڑے جھیڑے، نہ مندا بول۔ اج توں صدیاں پہلے ساڈے صوفیاں ولوں دتا گیا ایہہ اوہوای پیغام اے جیہنوں کجھ عرصہ پہلے سفنے دے روپ وچ کارل مارکس نے وی ویکھیا۔ اوہنے وسائل دی مادی تقسیم دی گل کیتی تے ادھی دُنیا نوں اپنا حامی بنالیا۔ ایہہ ٹھیک اے پئی کارل مارکس دا نظریہ مادی حیاتی دیاں اوکڑاں تے کوجھاں داحل لبھن ضرور ٹریا پر ایہدا سمبندھ روحانی حیاتی تے آون والی ابدی حیاتی نال نہیں سی ایسے لئی اوہ پوری طرح کامیاب نہ ہو سکیا۔ جدوں کہ صوفیاں دا پیغام تے سوچ گزری ہوئی کل، موجودہ اج تے مڑ آون والی بھلک نوں اپنے کلاوے وچ لئی کھلوتا اے۔ چنانچہ ایہہ بڑے اعتماد نال آکھیا جاسکدا اے۔ انسانی سماج دی فلاح تے انسانیت نوں عام کرن لئی صوفیانہ پیغام توں وڈا سچا تے سنکھا نظریہ تے سنیہا اج تک سامنے نہیں آیا تے نہ ای اگوں آوے گا۔

☆☆☆☆

حوالے

1- ہیر وارث شاہ۔ مرتبہ عبدالعزیز بار ایٹ لا۔ پنجند اکیڈمی لاہور، 1987ء ص3

2- کشف المحجوب: ترجمہ۔ ایف ڈی گوہر؛ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، 1983ء

3- ایضاً ص498

4- مکتوبات مجدد الف ثانی دفتر دوم مکتوب، نولکشور، 1877ء ص37

5- نوشہ گنج بخش: گنج شریف ادارہ معارف نوشاہیہ، ساہنپال گجرات 1980ء ص496

6- ایضاً

7- ابیات باہو: شرح سلطان الطاف علی؛ مجلس باہو لاہور، 1975ء ص492

8- آ کھیا بابا فرید نے: مرتبہ آصف خاں، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، نومبر 1989ء، ص150

9- آ کھیا بلھے شاہ نے: مرتبہ آصف خاں، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، 1999ء، ص496

10- آ کھیا بابا فرید نے، ص226

11- ایضاً ص241

12- نوشہ گنج بخش: گنج شریف ادارہ معارف نوشاہیہ، ساہنپال گجرات 1980ء ص320

13- آ کھیا بابا فرید نے، ص160

14- کافیاں شاہ حسین: مرتبہ آصف خاں، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، مارچ 1998ء، ص81

15- ابیات باہُو: بتحقیق و شرح۔ سلطان الطاف علی، پبلشر حاجی محمد اشفاق قادری 116 بی نشیمن غوثیہ کریم پارک راوی روڈ، لاہور، 1975ء، ص90

16- ایضاً ص175

17- آکھیا بلھے شاہ نے، ص 497

18- کلام بلھے شاہ: مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد، پیکجز لمیٹڈ لاہور، ص 49

19- کلیاتِ علی حیدر۔ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور، 1963ء، ص 34

20- کلام خواجہ فرد فرید۔ سچیت کتاب گھر، لاہور، نومبر 2001ء، ص 26

21- ٹکارے از ہاشم شاہ: مرتبہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، دسمبر 1987ء، ص 30

22- کلام خواجہ غلام فرید: مرتبہ حمید اللہ ہاشمی، شیخ بشیر اینڈ سنز، لاہور، 2001ء، ص 15

Majallah-e-Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 34, Sr.No.93, 2014, p 03 – 15

مجلہ تحقیق
کلیہ علوم شرقیہ
جلد 34 اکتوبر ــ دسمبر 2013، شمارہ 93

The Poetic Citation
Its Importance and evolution in the commentaries of the Holy Quran

[1]* Dr. Arif Siddiq

Abstract:

In this article, first of all, we would throw light on the poetic citation, its importance and its emergence and evolution in the commentaries of the Holy Quran, and then would mention how it is used by the commentators of the Holy Quran by giving some examples from their commentaries.

The Arabic word used for poetic citation is (اَلْاِسْتِشْهَادُ بِالشِّعْرِ). The word (اِسْتِشْهَاد) comes from (شَهِدَ) which means: to witness, to be present, to attend, to certify etc. ([1])

Importance of the poetic citation

The Holy Quran was revealed in Arabic language which is considered to be the mother of the languages. At the time of its revelation on the Holy Prophet Muhammad (PBUH), the poets of that era were on the peak of eloquence and rhetoric. But the Holy Quran

---

[1] Correspondent, Qatar News Agency (QNA), Islamabad

wondered them with the immortal beauty of its expressions. The Arabs of that age were enjoying with a high level of poetic and literary Arabic culture to the extent that they considered the speakers of other languages as dumb. They used to say Arabic poetry extemporary on different subjects. The collections of Arabic poetry during the pre-Islamic period indicate to the rich culture of the Arab and different aspects of their life. The poetry was considered one of the greatest matters of pride for them and they used to challenge their opponents with the different styles of the poetry. Al-Muzaffarbin Al-Fadl Al-Alvi wrote in his book "The Arab used to consider the poetry a danger, and made the poet a prince. A tribe was congratulated if any poet excelled in it rather it was jealoused due to the poet". ([2])

It is understood that each prophet of Allah had been given some special signs according to circumstances of that age and the requirements of the audience. The Holy Quran brought its unique expressions which made its opponents to acknowledge its glory. Since the last book of Allah enjoys such prestigious status from rhetorical and literary aspects, it becomes necessary for us to return to the prose and poetry of the Arabic literature in order to understand it correctly.

Poetry is considered to be one of the greatest sources which enriched the Arabic language with the most eloquent compositions, the best styles and profound meanings. With the emergence of Quranic commentaries, the researchers started to benefit from the Arabic poetry in understanding the meanings of the difficult words of the Holy Quran and their uses by the classical Arabs. It is very obvious that the Arabic poetry is very rich due to its versatile characteristics.

The commentators of the Holy Quran have always been eager and keen to learn the poetry by heart and to read its collections. Keeping in view its importance in understanding the Holy Quran, we see that the companions of the Holy Prophet (PBUH) not only learnt it but motivated others to learn it. Imam Shatbi ([3])narrated that a man asked Umer bin Al-Khattab RAA while he was delivering his speech on his rostrum, about the interpretation of a holy verse of the Holy book of Allah. A person from the pure Arabs stood and requested Umer to allow him to answer the required question with the help of the poetry of his tribe. Umer allowed him to do that in the verse (أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ) ([4]) "Or that we will not punish them by giving them a fright ". This person explained the meaning of this verse with the help of a poetic verse. At this stage, Umer RAA said: " O people! You must stick to your poetry of your pre-Islamic period because in it there is an interpretation of your book." ([5])

Referring to the Arabic poetry for the interpretation of the meanings of the words of the Holy Quran is very clearly depicted in a dialogue of Abdullah bin Abbas RAA with Nafi bin Al-Azraq.([6]) In this dialogue, Nafi bin Al-Azraq([7]) asked the meanings of hundreds of the words occurred in different verses of the Holy Quran and demanded to bring the explanation of those meanings from the Arabic poetry which Abdullah bin Abbas RAA did. He asked him hundreds of the questions and he had been replying to them. These questions have been mentioned by several writers in their books on around forty pages. This dialogue is the best example of the usage of Arabic poetry for this purpose.

No doubt, there are some people who oppose this trend on the pretext that in this way we made the poetry an origin for the Holy Quran while the Holy Quran condemns it. They refer to this verse (وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ) ([8]) "and as to the poets, those who go astray follow them". But the matter of fact is that we did not make the poetry as origin for the Holy Quran rather wanted to clarify the difficult words of the Quran with the help of the poetry. Arabic poetry guides us to know the meaning of a word by knowing how the poets of that era were using these words. Allah SWT said in the Holy Quran (إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ) ([9]) "surely we have made it an Arabic Quran that you may understand." Allah SWT also said in another place (بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ) ([10]) " in plane Arabic language."

Abdullah bin Abbas RAA also said in this regard " If you asked me about the difficult words of the Holy Quran, you search them in the poetry because the poetry is thediwan (collection) of the Arab." ([11])

One of the companions of the Holy Prophet PBUH said one day, I was sitting behind the Prophet (probably on a camel) and he asked me: "do you memorize something from the poetry of Umayyabin Abi Salt?" I said: yes. He asked me to recite. I recited one verse from his poetry. He asked me again to recite more. I recited one more verse. He asked me to recite more. Then I recited one hundred verses from his poetry.([12]) All these examples indicate to the importance of learning and using the Arabic poetry in exploring the meaning of the difficult words of the Holy Quran.

Emergence of poetic citation and its evolution in the commentaries of the Holy Quran

Using the Arabic poetic citations in the commentaries of the Holy Quran for finding the exact meanings of the difficult words,is one of the certified methods adopted by the commentators. The reason behind this is very obvious because the Holy Quran is revealed in Arabic. In numerous verses of the Holy Quran, it has been mentioned that this Holy book was revealed in Arabic ([13]). It is, therefore, necessary to depend upon the language in which the Holy Quran was revealed.

Shatbi said " In order to understand the *Sharia*, it is necessary to follow the Arab in whose language the Holy Quran was revealed. If a word is being used in the language of the Arab in a specific meaning, it is not correct to deviate from that meaning in understanding the *Sharia*."([14]) Ibn Faris said "The poetry is the diwan (collection) of the Arab, and with this the genealogy was preserved and the language was learnt." ([15])

In this way, we can say that the Arabic language is a fundamental brick to understand the text of the Holy Quran. The predecessors depended upon the Arabic poetry in the interpretation of the Holy Quran. When the compilation of the Quranic commentaries started, the commentators used the poetry in understanding and then defining the meanings of the vocabulary of the Holy Quran, its linguistic significance, its Arabic methods and its rhetorical aspects etc. because the poetry contains linguistic heritage and the characteristics of the Arabic language.

When we notice the usage of this language whether it is poetry or prose in the interpretation of the Holy Quran, we find that the companions of the Holy Prophet PBUH rely on the poetry in interpreting the

difficult words of the Holy Quran. Those who followed them also used the same method. Even after the emergence of Islam, the poetry retained its importance. The Holy Prophet PBUH asked some of his companions to recite Arabic poetry. Hazrat Hassan bin Thabit RAA was one of them who was asked to defend the Holy Prophet against the polytheists as it is narrated in the book of Bukhari. Narrated Hassan bin Thabit Al-Ansari: I asked Abu Huraira "By Allah! Tell me the truth whether you heard the Prophet saying, O Hassan! Reply on behalf of Allah's Apostle. O Allah! Help him with the Holy Spirit." Abu Huraira said, "Yes".([16]) We also find other events when the people recited poetry before the Holy Prophet PBUH. Jabir bin Samura said: I had a chance to sit with the Holy Prophet PBUH more than one hundred times. His companions used to recite the poetry in the mosque and narrate other things about matters of the ignorance period. The Holy Prophet PBUH used to smile. ([17])

With the passage of time, when the people got away from the era of revelation, the need to know the difficult words of the Holy Quran increased. The poetic citation in the commentaries of the Holy Quran has been very abundantly used and the poetic verses of the Arabic used in the commentaries exceed thousands in number. The predecessors used to interpret the Quranic words in accordance with the language of the Arab mentioning the poetic citation if available. Before we mention some examples of the poetic citation, we would like to briefly discuss the phases of the compilation process of the Islamic literature which would show us that the usage of the poetic citation had been started in the commentaries of very early ages.

Compilation of the Quranic commentaries started at the end of the Umayyad period and beginning of the Abbasside period and it can be divided into three phases:

1. In first phase, we find that some chapters of the sayings of the Holy Prophet PBUH had been compiled by the narrators of the sayings of the Holy Prophet. No independent books were compiled during this phase. One of the prominent features of this phase is compilation of the sayings of the Holy Prophet and his companions without touching the phenomenon of using Arabic poetry in the commentaries of the Holy Quran.
2. In the second phase, usage of Arabic poetry had been started by the commentators for defining the Quranic vocabulary and for other purposes. Ibn Jarir Al-Tabari (died: 310 H), Abu Bakar Al-Munziri Al-Nisapuri (died: 318 H), Ibn AbiHatim (died: 327 H), Ibn Hibban (died: 369 H), Al-Hakim Al-Nisapuri (died: 405 H), Ibn Murdawi (died: 410) were some prominent figures of scholars who wrote their commentaries of the Holy Quran and used Arabic poetry for the said purpose during this phase.
3. In fact, the third phase in this regard is the phase of expansion in this field which is extended till today. The Quranic commentaries took new dimensions and directions in this phase. Different new methods of the commentaries emerged during this phase. Islam had reached to the corners of the world and a big number of non-Arabs entered into Islam.

The commentators used the Arabic poetry very abundantly and still using it in their commentaries. Tafsir "Kashaf" written by Al-Zamakhshari is one of the pioneer commentaries in the beginning of this phase. TafsirQurtubi written by Abu Abdullah Muhammad bin Ahmad Al-Qurtubi(died: 671 H) in the 7th Hijri century is also one of other elaborated commentaries of the Holy Quran which used Arabic poetry excessively. This trend still continues and the commentators of this age also following the same pattern. In this context, We can see Tafsir Adwa -ul- Bayan which was written by Allama Muhammad Al-Amin bin Muhammad Al-Mukhtar Al-Shinqiti (died: 1393 H). AllamaShinqiti followed the same pattern which indicates to the usage of Arabic poetry even in the contemporary period. Not only in the Arabic commentaries but in the other languages also, the commentators used to follow this method. Amin Ahsan Islahi (died: 1997) one of the famous scholars of the sub-continent, who wrote his Quranic commentary in Urdu language and named it Tadabbur Quran, also used Arabic poetry very excessively in his commentary.

Now we mention some examples of the poetic verses from some commentaries.

1. Imam Qurtubiwhile interpreting the verse (وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ)([18]) "purify your garments" mentions that when Ibn Abbas RAA was asked about this verse he said: do not wear the garments when it is dirty.

Then he cited from the Arabic poetry saying that the poet Ghailan bin Salima said:

إِنِّيْ بِحَمْدِ اللهِ لَا ثَوْبَ غَادِرٍ لَبِسْتُ وَلَا مِنْ سَوْءَةٍ اَتَقَنَّعُ

Praise be to Allah that I had never worn dirty garments nor I had to cover my face due to any shameful act.([19])

2. AllamaShinqiti while interpreting the verse (وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ)([20]) "We shall set up scales of justice on the day of resurrection" mentions that the letter "ل"before the word "يوم" is used in the meaning of timing and then cited a poetic verse of an Arab poet NabighaZubyani:

تَوَهَّمْتُ آيَاتٍ لَهَا فَعَرَفْتُهَا لِسِتَّةِ أَعْوَامٍ وَذَا الْعَامُ سَابِعٌ

I had put some signs of her in my mind and with the help of those signs I knew that her age is six year and the current is seventh. ([21])

Findings:

1. The Holy Quran was revealed in pure classical Arabic language and the Arabic poetry of the early ages helps us in defining the meanings of its difficult words.
2. The Holy Prophet PBUH used to listen Arabic poetry of some Arab poets and had asked his companions like Hassan bin Thabit to defend him with his poetry.
3. The companions of the Holy Prophet PBUH not only used to learn the Arabic poetry but also motivated others to do so.
4. The poetic citation had not only been used in the Arabic commentaries of the Holy Quran during the

early ages of Islam but also it continues till today in the commentaries of Arabic and other languages.

Bibliography

[1].J M. Cowan, **The Hans wehr Dictionary of Modern Written Arabic**, Third Edition, 1976.
[2]. Al-Muzaffarbin Al-Fadl Al-Alvi, (died in 656 H) **NudratulIghrid fi NusratilQarid**, First Edition, Damascus, Page No. 298.
[3]. Ibrahim bin Musa bin Muhammad known as Shatbi, from Granada (died: 790), Khairud Din Zirkali, **Al-Aalam**, Dar -ul- IlmLilmalayeen, Edition 15, 2002, Volume 1, Page 75.
[4]. Al-Nahl: 47
[5]. Ibrahim bin Musa bin Muhammad known as Shatbi, from Granada (died: 790), **Al-Muwafqat**, Commercial Library, Egypt, First Edition, Vol 2, Page 88.
[6]. Jalal ud Din Suyooti, **Al-Itqan fi Uloom –ul- Quran**, Edited by: Muhammad Abu Al-Fadal Ibrahim, Volume: 2, Page: 67 to 105.
[7]. He was one of the leaders of Kharijites. (Arabic: خوارج*Khawārij*, literally "those who went out"; singular, *Khārijī*).The earliest Islāmic sect, which traces its beginning to a religio-political controversy over the Caliphate. (http://www.britannica.com/EBchecked/topic/316391/Kharijite) visited on 14/04/2014
[8]. Al-Shu'ara: 224
[9]. Az-Zukhruf: 3
[10]. Ash-Shu'ara: 195
[11]. Jalal ud Din Suyooti, **Al-Itqan fi Uloom –ul- Quran**, Edited by: Muhammad Abu Al-Fadal Ibrahim, Volume: 2, Page: 67
[12]. Muslim bin Al-Hajjaj, **Sahih Muslim**, Edited by: Muhammad Fawad Abdul Baqi, Dar Ihya Al-Turath Al-Arabi, Beirut, Volume: 4, Page: 1767.
[13]. For example: Ibrahim: 4, Taha:113, Az-Zumar:28, Al-Ahqaf:12, Az-Zukhruf:3 etc.
[14]. Ibrahim bin Musa bin Muhammad known as Shatbi, from Granada (died: 790), **Al-Muwafqat**, Commercial Library, Egypt, First Edition, Vol 2, Page 131.
[15]. Abu Al-Hussain Ahmad bin Farisbin Zakariyya, **Al-Sahibi fi fiqhiullugha al-arabiyyawamasailiha**, Commented by: Ahmad Hassan, Dar ulKutub Al-Ilmiyya, Beirut, Lebanon, first edition, 1997, Page: 212.
[16]. Abu Abdullah Muhammad bin Ismail bin Ibrahim Al-Bukhari, **Sahih Al-Bukhari**, Edited by: Muhammad Zuhairbin Nasir Al-Nasir, Dar Tauq Al-Najat, First Edition 1422 H, Volume: 1, Page: 98.

[17]. Abu Abdullah Muhammad bin Saad, **Al-Tabaqat Al-Kubra**, Edited by: Ihsan Abbas, Dar Sadir, Beirut, First Edition 1968, Volume: 1, Page: 372.
[18]. Al-Mudathir: 4
[19]. Abu Abdullah Muhammad bin Ahmad Al-Qurtubi, (died: 671 H) **Tafsir Al-Qurtubi**, Edited by: Ahmad Al-Bardooni, Dar-ul-Kutub Al-Misriyya, Cairo, Volume: 19 & 1 Page: 63 & 25 respectively.
[20]. Al-Ambiya: 47
[21]. Muhammad Al-Amin bin Muhammad Al-Mukhtar Al-Shinqiti,(died: 1393 H) **Adwa-ul-Bayan**, Dar-ul-Fikr for publishing, Beirut-Lebanon, Volume: 4, Page: 160.

References

1. Abu Abdullah Muhammad bin Ahmad Al-Qurtubi, (died: 671 H) **Tafsir Al-Qurtubi**, Edited by: Ahmad Al-Bardooni, Dar-ul-Kutub Al-Misriyya, Cairo
2. Abu Abdullah Muhammad bin Ismail bin Ibrahim Al-Bukhari, **Sahih Al-Bukhari**, Edited by: Muhammad Zuhairbin Nasir Al-Nasir, Dar Tauq Al-Najat, First Edition 1422 H
3. Abu Abdullah Muhammad bin Saad, **Al-Tabaqat Al-Kubra**, Edited by: Ihsan Abbas, Dar Sadir, Beirut, First Edition 1968
4. Abu Al-Hussain Ahmad bin Farisbin Zakariyya, **Al-Sahibi fi fiqhiullugha al-arabiyyawamasailiha**, Commented by: Ahmad Hassan, Dar ulKutub Al-Ilmiyya, Beirut, Lebanon, first edition, 1997
5. Al-Muzaffar bin Al-Fadl Al-Alvi, (died in 656 H)**NudratulIghrid fi NusratilQarid**, First Edition, Damascus
6. Ibrahim bin Musa bin Muhammad known as Shatbi, from Granada (died: 790), Khairud Din Zirkali, **Al-Aalam**, Dar -ul- IlmLilmalayeen, Edition 15, 2002
7. Ibrahim bin Musa bin Muhammad known as Shatbi, from Granada (died: 790), **Al-Muwafqat**, Commercial Library, Egypt, First Edition
8. J M. Cowan, **The Hans wehr Dictionary of Modern Written Arabic**, Third Edition, 1976
9. Jalal ud Din Suyooti, **Al-Itqan fi Uloom –ul- Quran**, Edited by: Muhammad Abu Al-Fadal Ibrahim
10. Muhammad Al-Amin bin Muhammad Al-Mukhtar Al-Shinqiti,(died: 1393 H) **Adwa-ul-Bayan**, Dar-ul-Fikr for publishing, Beirut-Lebanon
11. Muslim bin Al-Hajjaj, **Sahih Muslim**, Edited by: Muhammad Fawad Abdul Baqi, Dar Ihya Al-Turath Al-Arabi, Beirut
12. http://en.wikipedia.org/wiki/Khawarij) visited on 24/03/14